اتباع سنت کیلئے قرآن کے ساتھ صحیح مرفوع احادیث کافی ہیں

(مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی (از شیخ ناصر الدین البانی) ترجمہ: مولانا محمد صادق خلیل)

ان الحمد للہ، نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا، وسیأت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ، وصلاۃ اللہ وسلامہ علیہ، وعلی آلہ وصحبہ واخوانہ اجمعین الی یوم الدین۔

اما بعد، اس کتاب کا جب ساتواں ایڈیشن ختم ہوگیا اور کتاب کے طبع کرانے کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو میں نے ضروری سمجھا کہ اصرار کرنے والوں کی خواہش کا احترام کیا جائے چنانچہ کتاب کا آٹھواں ایڈیشن قارئین کی خدمت میں پیش کرنے پر مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ اور پر امید ہوں کہ اس کے محتویات سے تمام عالم اسلام کو مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔

یہ ایڈیشن جو آپ کے زیر مطالعہ ہے سابقہ ایڈیشنوں کی طرح اہم نادر اور جدید معلومات پر مشتمل ہے۔ اس کو توجہ اور محنت شاقہ کے ساتھ منقح کر کے خوبصورت، پرکشش انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید قارئین کی دلچسپی میں اس انکشاف سے مزید اضافہ ہو کہ مجھے کتب حدیث کی ورق گردانی اور مسلسل مطالعہ کا بے پناہ اشتیاق دامنگیر ہے چنانچہ مجھے دوران مطالعہ جو اہم معلومات مطبوعہ، غیر مطبوعہ مخطوطوں وغیرہ سے دستیاب ہوئے قارئین حضرات کے معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے۔ انہیں اس ایڈیشن میں سمو دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا پورا پورا احساس ہے اور ارشاد خداوندی "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" (بنی اسرائیل) (اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے) ہر وقت ملحوظ خاطر رہتا ہے۔ نیز اس ایڈیشن کے آخر میں مراجع، مصادر کی فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے۔

کتاب کے چوتھے ایڈیشن کے بعد شیخ حمود بن عبداللہ تویجری حنبلی نجدی کی تالیف "التنبیھات علی رسالۃ الالبانی فی الصلوٰۃ" نظر سے گزری شیخ کا یہ رسالہ چھوٹے سائز کے صرف ستاون صفحات پر مشتمل ۱۳۷۸ھ میں طبع ہوا اسی سال میری اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن

اشاعت پذیر ہوا۔

چونکہ اس رسالہ میں اس کتاب پر ناقدانہ تبصرہ تھا اس لئے میں نے پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ شیخ حمود تویجری نے میری کتاب کے تیرہ مسائل کو مبحث بنایا ہے جن میں چار مسائل کا تعلق کتاب کے حواشی سے ہے۔

چنانچہ میں نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ نہایت بسط اور تفصیل کے ساتھ اس کا رد لکھا جس کے صفحات شیخ کے رسالہ سے تین گنا تھے۔

شیخ کے رسالہ کے مطالعہ کے دوران مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ شیخ صاحب متعصب حنبلی ہیں اور علم حدیث رجال طرق علل وغیرہ میں کوئی خاص درک نہیں رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جن دوسرے مسائل میں مناقشہ کیا ہے اور مجھ پر زبان درازی کی ہے ان میں وہ راہ صواب سے بھٹک گیا ہے اگرچہ میرا دلی ارادہ یہی تھا کہ ان مسائل کو تفصیل سے بیان کیا جائے اور اس کے غلط موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے لیکن مقدمہ چونکہ طوالت کا متحمل نہیں ہوا کرتا اس میں اشارات سے ہی موقف کو پیش کرنا ہوتا ہے اس لئے اشارات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

البتہ مثال کے طور ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ شیخ تویجری کا مبلغ علم کیا ہے؟ اور سنت کے بارے میں اس کی معلومات کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔

مثال :۔ مذکورہ رسالہ کے صفحہ ۱۰۷ پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔ میں ایک روایت میں زیادتی۔ کہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کا بھی اضافہ مسنون ہے۔ کمزور ہے۔ دراصل ان کا روئے سخن میری جانب ہے جب کہ میں نے اس کتاب کے چوتھے ایڈیشن صفحہ ۱۰۳ پر اس زیادتی کا ذکر کیا تھا۔

شیخ تویجری نے زیادتی کو صرف ضعیف ہی نہیں کہا بلکہ اس کو شاذ قرار دیا ہے اس لئے کہ ہشیم بن ایوب راوی اگرچہ ثقہ ہے لیکن وہ دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہے جبکہ وہ اس زیادتی کے ذکر کرنے میں منفرد ہے۔

شیخ تویجری پر رد	اللہ پاک شیخ صاحب کو راہ صواب پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اس لئے کہ اگر وہ تحقیق کرتے تو ان پر حقیقت آشکارا ہو جاتی۔

سنیئے : ہیثم بن ایوب اس زیادتی میں منفرد نہیں ہیں بلکہ چار ثقہ راوی اس کی متابعت کر رہے ہیں۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان کے نام اور تخریج پیش کرتے ہیں۔

۱۔ سلیمان بن داؤد ہاشمی کی متابعت کو ابن الجارود نے المنتقیٰ رقم (۵۳۷) میں ذکر کیا ہے

۲۔ ابراہیم بن زیاد الخیاط البغدادی کی متابعت بھی المنتقیٰ (۲/۵۲۷) میں موجود ہے۔

۳۔ محرز بن عون ہلالی کی متابعت کو ابو یعلیٰ الموصلی نے مسند (ق ۱۴۱/۲) میں ذکر کیا ہے

۴۔ ابراہیم بن حمزہ زبیری کی متابعت کو بیہقی نے سنن کبریٰ (۳۸/۴) میں ذکر کیا ہے۔

ملحوظ خاطر رہے کہ جن متابعات کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ تمام صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں خصوصیت کے ساتھ تیسری متابعت کی صحت کا امام نووی نے صراحتاً ذکر کیا ہے۔ ان سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کر کے اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ پس ان چار ثقہ رواۃ کی متابعت کے بعد شیخ تویجری کا دعویٰ (کہ ہیثم بن ایوب اس زیادتی کے ساتھ منفرد ہے) اس قابل ہے کہ اس کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے۔ مزید کچھ کہنے سے ہم خاموشی اختیار کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

دوسرے طریق سے متابعت ان چاروں متابعتوں میں عبداللہ بن عباس سے طلحہ بن عبداللہ بن عوف راوی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک دوسری متابعت میں عبداللہ بن عباس سے زید بن طلحہ راوی ہیں ان کی روایت میں بھی زیادتی کا ذکر ہے۔ اس متابعت کو عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم نے۔ ما اسند سفیانؒ بن سعید الثوری: میں اور ابن الجارود نے المنتقیٰ میں[1] صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شاهد : اس زیادتی کی صحت پر اس عام حدیث کی شہادت کفایت کرتی ہے اور تقویت میں مزید اضافہ ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ اور ایک دوسری سورت پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ نماز جنازہ بھی نماز ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس عام حکم میں شامل ہو گی بلکہ اسی حدیث کی بناء پر شیخ تویجری کے حنبلی رفقاء نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کے پڑھنے کو واجب کہتے ہیں

اس حدیث سے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کے بعد کسی دوسری سورت کے پڑھنے کی مشروعیت ثابت ہو رہی ہے۔ امام شوکانیؒ نے بھی نیل الاوطار میں اس کا ذکر کیا ہے ان

---

[1] (۲/۴۰/۱) [2] (۵۳۶)

دلائل کی روشنی میں اگر کہا جائے شیخ تویجری ان دلائل سے بے خبر نہ تھے۔ چونکہ یہ دلائل ان کے مذہب کے خلاف تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کو قابل اعتناء نہ سمجھا واللہ اعلم۔

حقیقت یہ ہے کہ جمود فکری، مذہبیت اور اس سے مدافعت، سخت خطرناک بیماری ہے۔ تمام اسلامی ملکوں میں اس کے جراثیم موجود ہیں۔ کھلے بندوں سنت کا استخفاف ہو رہا ہے اور مذہبی تعصب کے پیش نظر امام کے قول کو سنت پر فوقیت دی جا رہی ہے۔ الا من عصم اللہ وقلیل ما ھم، البتہ فضیلۃ الشیخ تویجری کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب کہ بقول اس کے اس نے میری کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور قارئین کی خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر اس نے اغلاط کی نشاندہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی حالانکہ جن اغلاط کی نشاندہی میں اس نے پورا زور صرف کر دیا ہے ان میں اس کا موقف صحیح نہیں ہاں صرف چار مسائل میں اس کی رائے صائب ہے اور میں اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے موقف کو چھوڑ کر اس کا موقف اختیار کرتا ہوں اور مجھے اس میں کچھ حجاب نہیں ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

چہار مسائل

مسئلہ اوّل: اس نے رسالہ میں تحریر کیا کہ میں نے تشہد کی دعا میں المأثم والمغرم: کا معنیٰ گناہ اور معصیت کیا ہے۔ اس کا کہنا صحیح ہے لیکن میں نے طبع ثالث میں اس سے رجوع کر لیا تھا اور شیخ کا رسالہ اس کے چھ سال بعد طبع ہوتا ہے پس اس کی جانب سے تنبیہ کرنا درست ہے لیکن اس کی تنبیہ سے قبل ہی میں نے طبع ثالث میں اس معنیٰ کو بدل دیا تھا۔ پس اس کا اعتراض لغو ہے۔

مسئلہ ثانی: اس نے مجھے متنبہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ میں نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں نماز کو اسلام کا سب سے بڑا رکن قرار دیا ہے۔ حالانکہ مجھے مقید کرنا چاہیئے تھا کہ شہادتین کے بعد نماز سب سے بڑا رکن ہے۔ مجھے شیخ کی رائے سے اتفاق ہے اور ادع مایریبک الی مالا یریبک [1] (شک کو چھوڑ کر یقین کو اختیار کرنا چاہیئے، کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بات واضح انداز میں پیش کی جائے اس سلسلہ میں اگر میں یہ موقف اختیار کر دوں کہ جو ارکان اعمال پر مشتمل ہیں ان میں نماز سب سے بڑا رکن ہے تو اس سے اگرچہ کسی حد تک وضاحت

؎ (۱۴/۴/۵۳)

ہوجاتی ہے اور اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم اپنے فاضل دوست کو خوش رکھتے ہوئے میں نے اس سے اگلے ایڈیشن میں اس کو مقدمہ میں قلم زد کر دیا جس میں تقیید نہ تھی اور اشبہات وجوابہا کے عنوان میں تقیید کا ذکر کر دیا ہے تاکہ اعتراض کی کچھ گنجائش باقی نہ رہے۔

مسئلہ ثالثہ: والشر لیس الیک کا ترجمہ اولاً میں نے یہ کیا کہ شر اللہ کا فعل نہیں ہے لیکن فضیلۃ الشیخ کی تحقیق کو صحیح باور کرتے ہوئے میں نے اس جملہ کے معنیٰ کو بدل دیا کہ (اللہ کے افعال میں شر نہیں ہے) اگرچہ ان دونوں معنوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں تاہم میں نے اپنا موقف چھوڑ دیا۔

مسئلہ رابع: سجدہ کی رفع الیدین معلق روایت میں البدائع سے نقل کرتے ہوئے راوی کا نام (ابن الاثرم) تحریر کیا حالانکہ صحیح (الاثرم) ہے جیسا کہ شیخ نے اس کا ذکر کیا اثرم کا نام احمد بن محمد بن ہانی الطائی ہے اور کنیت ابوبکر ہے واللہ اعلم۔ ان مسائل کے علاوہ شیخ کے دیگر بیان کردہ اعتراضات کے تفصیلی جواب دینے کی ہم اللہ سے توفیق طلب کرتے ہیں تاکہ دلائل کی روشنی میں ان کا رد ہو سکے۔ اس سلسلہ میں امام احمد کی جانب منسوب کردہ رسالہ الصلوٰۃ کے بارے میں اس سے پہلے ایڈیشن میں بھی ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس کی نسبت امام احمد کی طرف درست نہیں چنانچہ اس کے بارے میں امام ذہبی کا قول (کہ اس کی نسبت امام احمد کی جانب خلاف واقعہ ہے) حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ وہ اس ایڈیشن کو پہلے ایڈیشنوں سے زیادہ شہرت عطا فرمائے اور اس کی اشاعت میں اضافہ فرمائے اور مکتب اسلامی کے مدیر فاضل استاذ زہیر شاویش کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے اور اس کے نامۂ اعمال میں اجر و ثواب ثبت فرمائے۔ یقیناً اللہ پاک ہی اس لائق ہیں کہ ان سے التجا کی جائے۔

ان چند سطور کے بعد اب ہم کتاب کے مقدمہ میں اہم فوائد ذکر کریں گے اور کتاب کے تالیف کا سبب نیز اس کے دقیق منفرد منہج علمی اور دیگر فوائد سے روشناس کرائیں گے۔

میں نے مقدمہ (۱۳/ ۶/ ۱۳۷۰ھ) کو مرتب کیا اور اس کے ساتھ اہم فصل (اشبہات وجوابہا) کا اضافہ (۳۰/ ۵/ ۱۳۸۱ھ) کو کیا اللہ کے فضل وکرم سے مقدمہ کے مطالعہ سے بہت سے نیک انسانوں کو فائدہ حاصل ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک قیامت کے روز ہمیں ان کی معیت میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام حمد و ثنا اس اللہ پاک کے لئے ہے جس نے اپنے بندوں پر نماز فرض کی اور انہیں اس کے قائم کرنے اور اچھے طریق سے ادا کرنے کا حکم دیا اس کی قبولیت کو خشوع و خضوع پر موقوف فرمایا، ایمان، کفر کے درمیان امتیاز کی علامت قرار دیا اور بے حیائی منکر کاموں سے روکنے کا ذریعہ بنایا اللہ کی حمد و ثنا کے بعد درود و سلام کا ہدیہ نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے ہیں جن کو خدا تعالےٰ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔[۱]

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

اللہ پاک کے حکم کی تعمیل ارشاد میں آپ کمربستہ ہو گئے ظاہر ہے کہ جو شریعت آپ پر نازل ہوئی۔ بالعموم آپ نے وضاحت کے ساتھ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا لیکن نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس کو دیگر ارکان وغیرہ سے بھی زیادہ واضح شکل میں پیش کیا اور قولاً فعلاً اس کا عام پرچار کیا، یہاں تک کہ ایک بار آپ نے منبر پر نماز کی امامت کرائی۔ قیام رکوع منبر پر کیا نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے اس طرح اس لئے کیا ہے تاکہ نماز کے ادا کرنے میں تم میری اقتداء کر سکو اور نماز کی کیفیت معلوم کر سکو۔[۲] نیز اس سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں اپنی اقتداء کو واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی۔[۳] تم نے اسی طرح نماز ادا کرنی ہو گی جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھ رہے ہو اور پھر اس کی اہمیت میں مزید اضافہ جتاتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص میری طرح نماز ادا کرے گا میں اس کو خوش خبری دیتا ہوں کہ اللہ نے اس کو جنت میں داخل کرنے کا عہد کیا ہے۔ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

خمس صلوٰت افترضھن اللہ عزوجل من احسن وضوءھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وسجودھن وخشوعھن کان له علی اللہ عھد ان یغفر له ومن لم

پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں جو شخص اچھے طریق پر وضو کرے وقت پر نماز ادا کرے اور رکوع، سجود، خشوع کا اہتمام کرے تو اس انسان کا اللہ پر ذمہ ہے کہ اس کو معاف

۱؎ النحل ۴۴ ۲؎ بخاری، مسلم ۳؎ بخاری، احمد، تخریج ارواء الغلیل میں دیکھیں

یفعل فلیس لہ علی اللہ عھد ان شاء غفر لہ وان شاء عذبہ [۱] کرے گا اور جو شخص ان باتوں کو ملحوظ نہ رکھے گا اس کا اللہ پر کچھ ذمہ نہیں اگر چاہے اس کو معاف کرے اگر چاہے عذاب میں گرفتار کرے

نبی پاک پر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ ساتھ اہل بیت صحابہ کرام پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو جو نیکو کار پرہیز گار تھے۔ جنھوں نے آپ کی عبادت، نماز، اقوال افعال کو نقل کر کے امت تک پہنچایا اور صرف آپ کے اقوال، افعال کو ہی دین اور قابل اطاعت قرار دیا نیز ان نیک انسانوں پر جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور چلتے رہیں گے۔

اما بعد: حافظ منذری رح کی کتاب الترغیب والترہیب کی کتاب الصلوٰۃ کے مطالعہ اور تدریس سے قریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے جب میں فارغ ہوا تو مجھے اور میرے درس میں شریک سلفی بھائیوں کو احساس ہوا کہ اسلام میں نماز کا کتنا اہم مرتبہ ہے اور جو شخص اس کو قائم کرتا ہے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا وہ کس قدر اجر و ثواب اور فضیلت و اکرام کا مستحق ہوتا ہے۔ پھر اجر و ثواب میں کمی بیشی کا معیار یہ ہے کہ جس قدر کسی انسان کی نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ قریب ہوگی وہ زیادہ اجر و ثواب کا حقدار ہوگا اور جس کی نماز آپ کی نماز سے مماثلت میں کچھ مختلف ہوگی۔ اس کو اجر و ثواب کم حاصل ہوگا حدیث نبوی ملاحظہ فرمائیں:

ان العبد لیصلی الصلوٰۃ ما یکتب لہ منھا الا عشرھا، تسعھا، ثمنھا، سبعھا، سدسھا خمسھا، ربعھا، ثلثھا، نصفھا بے شک بندہ نماز ادا کرتا ہے لیکن اس کے نامۂ اعمال میں اس کا دسواں، نواں، آٹھواں ساتواں چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا، نصف حصہ لکھا جاتا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر میں نے اپنے سلفی بھائیوں کو خبردار کیا کہ ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ادا کرنے کی مانند نماز ادا کرنا اس وقت ممکن ہے جب ہمیں تفصیل کے ساتھ آپ کی نماز کی کیفیت معلوم ہو اور ہمیں نماز کے واجبات، آداب، ہیأت، ادعیہ اذکار کا علم ہو پھر اس کے مطابق ہم نماز ادا کرنے کی کوشش بھی کریں تو ہم امید رکھتے ہیں

---

[۱] حدیث صحیح ہے الزھد لابن المبارک (۱۰/ ۲۱/ ۱-۲) ابوداؤد و نسائی میں جید سند کے ساتھ مذکور ہے صحیح ابوداؤد (۴۶۱)

کہ پھر ہماری نماز بھی اس نوعیت کی ہو گی جو بے حیائی اور منکر باتوں سے روکتی ہے اور ہمارے نامۂ اعمال میں وہ اجر و ثواب ثبت ہو گا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مذہبی تقلید میں غلو کے اثرات

جب ہم عوام کی دینی کیفیت کا جائزہ لیتے ہیں تو نہ صرف اکثر عوام بلکہ اکثر علماء نماز کی تفصیلی کیفیات سے نابلد ہیں وجہ ظاہر ہے کہ عام طور پر علماء مذہبی تقلید کی جکڑبندیوں میں جکڑے ہوتے ہیں اور وہ غلو کی حد تک ایک امام کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہوئے صحیح بات کے مطابق عمل کرنا تو کجا سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جس قدر معاشرہ میں مذاہب موجود ہیں ان میں بلا امتیاز اس قسم کے اعمال دیکھنے میں آتے ہیں جن کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں اور ان کی کتابوں میں ایسے اقوال تحریر ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بھی جائز نہیں۔ متاخرین مذہبی پیشواؤں کی کتابیں اس قسم کے اقوال سے بھری پڑی ہیں اگرچہ سرسری نظر سے اصل حقیقت منکشف نہیں ہوتی لیکن وہ شخص جس کی سنت مطہرہ پر نظر ہے اور وہ سنت کی تحقیق اور اشاعت میں مشغول رہتا ہے۔ اس کی نظر سے اس قسم کے اقوال، اعمال مخفی نہیں ہیں چنانچہ جب وہ متاخرین کی کتابوں میں بعض اقوال کو غلط طور پر رسول اکرمؐ کی طرف منسوب دیکھتا ہے تو اس کی حمیت دینی جوش میں آجاتی ہے اور وہ اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھتا جب تک کہ غلط نسبت کو آشکارا نہیں کر پاتا۔ اسی جذبہ کے پیش نظر بعض ائمہ نے موضوع یعنی من گھڑت احادیث کو یکجا جمع کیا تاکہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں امتیاز ہو سکے جزاہم اللہ خیراً۔ نیز بعض علماء نے احادیث کی تخریج میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور احادیث کے احوال کا پتہ لگایا اور ان کی صحت، عدمِ صحت پر دلائل پیش کیے۔ اس موضوع پر العنایۃ بمعرفۃ احادیث الھدایہ، الطرق والوسائل فی تخریج احادیث خلاصۃ الدلائل (جن کے مولف شیخ عبدالقادر بن محمد القرشی الحنفی ہیں) نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ تالیف حافظ زیلعی اس کا اختصار الدرایۃ، تلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر تالیف حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں آخر میں ہم اپنے مدعا کے اثبات میں ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ فقہی کتابوں میں نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے اور تعجب ہے کہ کس طرح ان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ کیا کسی کے قول کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ثابت کرنا کذب بیانی نہیں ہے؟

علامہ عبدالحئی لکھنوی کا قول

علامہ لکھنوی رحمہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر (میں فقہ

حنفی کی کتابوں کے مراتب بیان کرنے کے بعد ذکر کرتے ہیں۔

کل ماذکرنا من ترتیب المصنفات انما هو بحسب المسائل الفقهیۃ واما بحسب ما فیها من الاحادیث النبویۃ فلا فکم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلۃ الفقهاء مملوء من الاحادیث الموضوعۃ ولا سیما الفتاوی فقد وضح لنا بتوسیع النظر ان اصحابها وان کانوا من الکاملین لکنهم فی نقل الاخبار من المتساهلین۔

جن کتابوں کی ترتیب ہم نے ذکر کی ہے اس کا تعلق فقہی مسائل کے ساتھ ہے اور ان میں درج احادیث نبویہ کے لحاظ سے یہ ترتیب نہیں ہے اس لیے کہ کتنی کتابیں ایسی ہیں جو جلیل القدر فقہا کے ہاں قابل اعتماد ہیں لیکن ضعیف حدیثوں سے بھری پڑی ہیں خصوصاً ان میں فتاوی کی بھرمار ہے پس ہم غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں۔ کہ ان کتابوں کے مؤلفین اگرچہ کامل تھے لیکن وہ احادیث کے نقل کرنے میں سہل انگار تھے۔

ذیل میں ہم بطور مثال ایک موضوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کا ذکر النہایہ وغیرہ کتابوں میں ہے۔

موضوع حدیث

من قضی صلوات من الفرائض فی اخر جمعۃ من رمضان کان ذالک جابرا لکل صلوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ۔

جس شخص نے رمضان کے آخری جمعہ میں فرائض کی قضا دی تو اس سے عمر کی قضا شدہ نمازوں ستر سال تک کے لیے تلافی ہو جائے گی۔

علامہ لکھنوی نے اس حدیث کو الآثار المرفوعۃ[1] فی الاخبار الموضوعہ میں ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ ملا علی قاری نے موضوعات صغریٰ اور کبریٰ میں اس حدیث کو بالکل باطل کہا ہے اس لئے کہ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے۔ نیز ایک نماز کئی سالوں کی نماز کے قائم مقام کیسے ہو سکتی ہے؟ پس یہ حدیث موضوع ہے اگر ہدایہ کے شارحین یا صاحب نہایہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے تو اس سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اولاً تو یہ لوگ محدثین سے شمار نہیں ہوتے ثانیاً انہوں نے حدیث کے مخرج کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ شوکانی کا قول | علامہ شوکانی الفوائد المجموعہ میں رقمطراز ہیں۔

حاشیہ صفحہ گزشتہ ۱ص ۱۲۲ - ۱۲۳   [1] ص ۳۱۵

هٰذا موضوع بلاشك ولم اجد فی شیئ من الکتب التی جمع مصنفوها فیها الاحادیث الموضوعۃ ولکن اشتہر عند المتفقہۃ بمدینۃ صنعاء فی عصرنا هٰذا وصار کثیر منہم یفعلون ذالک ولا ادری من وضع لہم فقبح اللّٰہ الکذابین

بلاشبہ یہ حدیث موضوع ہے اگرچہ موضوع حدیثوں پر مشتمل کتابوں میں اس حدیث کا سراغ نہیں ملتا البتہ ہمارے دور میں صنعاء کے فقہا کی ایک جماعت کے ہاں یہ حدیث شہرت پذیر ہے اور اکثر لوگ اس قسم کی قضا نماز پڑھتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہو سکا کس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا اللہ پاک جھوٹوں کو برباد کرے۔

علامہ لکھنوی کا قول

میں نے اس حدیث کے موضوع ہونے پر ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام (ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان) رکھا اس میں اس کے موضوع ہونے کو ثابت کیا۔ اگرچہ یہ حدیث اوراد اور وظائف کی کتابوں میں مختصر اور مطول الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ لیکن دلائل عقلیہ اور نقلیہ کی روشنی میں اس کو موضوع ثابت کیا ہے اس کے علاوہ بہترین فوائد کا اس میں اضافہ ہے جن سے دل و دماغ کو نشاط حاصل ہوتا ہے۔ پس میں قارئین سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہوں وہ رسالہ اپنے موضوع میں نفیس معلومات پر حاوی ہے

خیال رہے اس قسم کی باطل حدیثیں کتب فقہ میں موجود ہیں جن پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ بلا حوالہ جات ہیں یا غیر معتبر کتابوں کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری کے کلام سے بھی یہی بات ثابت ہو رہی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث کو محدثین کے حوالہ سے ذکر کرے چنانچہ یہ قول زبان زد خواص و عوام ہے کہ گھر کا مالک ہی گھر کے سامان وغیرہ کے متعلق بہتر جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اس طرح محدثین کا ہی کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق ریمارک قابل اعتماد ہو سکتا ہے۔

امام نووی کا قول

امام نووی ؒ المجموع شرح المہذبؒ میں رقمطراز ہیں۔

صاحب تحقیق علماء اور محدثین کا قول ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے ساتھ نہ ذکر کیا جائے اسی طرح فعل، امر، نہی وغیرہ جزم کا کوئی جملہ استعمال نہ کیا جائے۔ ہاں روی عنہ، نقل عنہ: یروی تمریض کے صیغوں کے ساتھ ذکر کرنا درست ہے اس لئے کہ جزم کے صیغے صحیح، حسن حدیثوں کے بیان کرنے کے لئے مقرر ہیں اور تمریض کے صیغے غیر صحیح، حسن یعنی ضعیف حدیثوں کے بیان کرنے کے لئے مقرر ہیں جب جزم

کے صیغے صحت کے متقاضی ہیں تو ان کے ساتھ غیر صحیح حدیثوں کو بیان کرنا کذب بیانی کے مترادف ہوگا لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ جمہور فقہاء اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں ہچکچاتے بلکہ مطلقاً جمہور علماء کا یہی طور طریقہ ہے البتہ فن حدیث میں مہارت تامہ رکھنے والے محدثین اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں وہ کبھی ضعیف حدیث کو قال کے ساتھ اور کبھی صحیح کو روی عنہ کے ساتھ ذکر نہیں کرتے۔

سبب تالیف کتاب

نماز کے موضوع پر میں نے کتابوں کا جائزہ لیا تو کوئی کتاب مبنی برحقیقت اور جامع نظر نہ آئی تو میں نے اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر ڈالا اور تیار ہوگیا کہ نماز کے موضوع پر ایک جامع کتاب تحریر کروں تاکہ ان لوگوں کو راہ نمائی حاصل ہو جو نماز جیسی اہم عبادت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو لازمی جانتے ہیں اور جس طرح آپ نے تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز ادا فرمائی ہے اس کا مل نقشہ کھینچ دیا جائے تاکہ آپ کی محبت کا دم بھرنے والوں کو سہولت حاصل ہو اور وہ آپ کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں، ارشاد نبوی ہے۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ تم نے اسی طرح نماز ادا کرنی ہوگی جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھ رہے ہو۔ اس بلند مقصد نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر آمادہ کیا اور میں نے مختلف کتب حدیث سے ان حدیثوں کو الگ کیا جن کا تعلق نماز کے ساتھ تھا ان کو یکجا جمع کرنے سے یہ کتاب مرتب ہوگئی۔ میں نے اس بات کا پورا خیال رکھا کہ اس میں صرف ان احادیث کو درج کروں جو احادیث کی صحت کے قواعد وضوابط کے معیار کے مطابق ہوں اور جس حدیث میں کوئی ضعیف یا مجہول راوی منفرد تھا خواہ اس حدیث کا تعلق نماز کی ہیئت کے ساتھ یا اذکار اور فضائل کے ساتھ تھا اس کے ذکر سے اجتناب کیا اس لئے کہ جب صحیح ثابت شدہ حدیثیں موجود ہیں اور ان سے مقصد حاصل ہو رہا ہے تو بلاضرورت غیر صحیح حدیثوں کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ایسی حدیثوں سے محض ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور بلا اختلاف ظن کا کوئی فائدہ نہیں وہ بہرحال مرجوح ہے ارشاد ربانی ہے:

ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً[1]۔ اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

ارشاد نبوی ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2] تم ظن سے بچو ظن تو جھوٹی

---

[1] النجم ۲۸) [2] بخاری، مسلم، تخریج الحلال والحرام الاستاذ القرضاوی رقم (۴۱۲)

بات ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادات میں خاص طور پر ظنی چیز معتبر نہیں۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظن سے دور رہنے کا حکم دیا ارشاد نبوی ہے۔

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم۔ میری طرف نسبت کر کے حدیث بیان کرنے میں احتیاط کرو ہاں اگر تمہیں یقین ہو تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث ترمذی، احمد، ابن ابی شیبہ میں موجود ہے لیکن شیخ محمد سعید حلبی کا مسلسلات[۱] میں اس کو بخاری کی حدیث قرار دینا وہم ہے پہلے تو اس حدیث کے ضعف کا مجھے کچھ علم نہ تھا اس لئے میں اس حدیث کو صحیح سمجھتا رہا بعد میں مزید تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف ہے۔ ترمذی کی بیان کردہ سند میں ضعف[۲] موجود ہے۔ مناوی نے ابن ابی شیبہ کی سند کو صحیح کہا ہے حالانکہ سند صحیح نہیں ہے البتہ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث صحیح ہے ارشاد نبوی ہے۔

من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب۔ جو شخص میری طرف نسبت کر کے کوئی حدیث بیان کرتا ہو فھو احد الکاذبین حالانکہ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو بیان کرنے والا جھوٹا ہے پس جب آپ نے ضعیف روایت کے بیان کرنے سے منع فرما دیا تو اس پر عمل کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

کتاب کی ترتیب کتاب کو متن اور شرح میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ متن میں احادیث کا ذکر ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ احادیث کے وہی الفاظ بعینہٖ ذکر کروں جو سنت کی کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں بعض اوقات ایک حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اس وقت جن الفاظ کا کتاب کے ساتھ زیادہ تعلق ہے ان کو ذکر کروں گا اور بعض اوقات دوسری روایت کے زائد الفاظ کا ذکر اتمام فائدہ کے لئے کروں گا نہ ان کے بیان کرنے والے راوی اور نہ ہی تخرج کا ذکر کروں گا تاکہ ترتیب میں کسی قسم کا نقص رونما نہ ہو اور مطالعہ کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔

شرح میں ان احادیث کی تخریج ذکر ہو گی جو متن میں تحریر ہیں۔ احادیث کے الفاظ، طرق کے بیان کرنے میں پورا احتیاط کیا جائے گا سند اور شواہد پر جرح تعدیل، تصحیح، تضعیف کا حکم قواعد وضوابط کی روشنی میں لگایا جائے گا۔

---

۱ (۱/۲) ۲ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱۷۸۳)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض طرق میں ایسے زائد الفاظ موجود ہیں جو دیگر طرق میں موجود نہیں تو اس وقت ان زائد الفاظ کو اصل حدیث کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو متن میں مذکور ہوں گی اشارتاً ان الفاظ کو قوسین خطوط وحدانی کے درمیان ذکر کروں گا تاکہ اس کا پتہ چل سکے لیکن اس بات کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ کون راوی اس زیادتی کے بیان میں منفرد ہے لیکن اگر زائد الفاظ کسی دوسرے صحابی سے منقول ہیں تو اس وقت اس کو مستقل حدیث کی حیثیت سے ذکر کروں گا جیسا کہ استفتاح کی ادعیہ میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کی ترتیب کا یہ انداز بالکل انوکھا ہے شائد اس قسم کا انداز آپ کو کسی دوسری کتاب میں نظر نہ آئے والحمد لله بنعمته تتم الصالحات نیز نیچے شرح میں حدیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ علماء کے مذاہب، دلائل کو بیان کروں گا اور اعتراضات اور ان کے جوابات سے بھی روشناس کراؤں گا۔ بعد ازاں صحیح مسلک کی نشاندہی کروں گا جس کا ذکر متن میں ہو چکا ہوگا کبھی اس قسم کے مسائل بھی بیان ہونگے جن پر سنت سے تو کوئی نص نہ مل سکی۔ البتہ اجتہاد کی روشنی میں اس کا ذکر ہوگا لیکن خیال رہے کہ یہ ہماری کتاب کا موضوع نہیں ہے۔

جب ہم نے کتاب کے صفحات کا تخمینہ لگایا تو معلوم ہوا کہ پانچسو سے زائد صفحات ہو جائینگے اور مالی دشواریاں کا احساس ہوا تو فیصلہ کرنا پڑا کہ تکلیف مالا یطاق سے بچتے ہوئے متن کو شائع کر دیا جائے اور حاشیہ کے طبع کا انتظام سر دست نہ کیا جائے اس کے لیے کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا جائے تاکہ متن اور شرح دونوں کو یکجا کر کے طبع کرایا جائے اس کتاب کا نام تجویز کیا گیا صفة صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم من التكبير الى التسليم كانك تراها (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک گویا کہ آپ ان دونوں آنکھوں سے آپ کی نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں)

اسأل الله تعالى ان يجعله خالصاً لوجهه الكريم وان ينفع به اخوانى المؤمنين انه سميع مجيب۔

کتاب کی بنیاد چونکہ کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی جائے گی تو پھر یہ بات بالکل واضح ہے کہ نماز کے بیان کرنے کے ضمن میں کسی مذہب یا فرقہ کی تقلید کو قطعاً ملحوظ نہ رکھا جائے۔ صرف اور صرف ان کیفیات کا ذکر ہوگا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور یہی کتاب کی بنیاد ہے۔

اور یہی نظریہ تمام محدثین کا ہے۔ سنیئے علامہ لکھنوی امام الکلام میں فرماتے ہیں۔

ومن نظر بنظر الانصاف وغاص فی بحار الفقه والاصول متجنباً الاعتساف یعلم علماً یقینیاً ان اکثر المسائل الفرعیة والاصلیة التی اختلف العلماء فیها فمذهب المحدثین فیها اقوی من مذاهب غیرهم وانی کلما اسیر فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثین فیه قریباً من الانصاف فلله درهم وعلیه شکرهم کیف لا وهم ورثة النبی صلی الله علیه وسلم حقا ونواب شرعه صدقا حشرنا الله فی زمرتهم وامانتا علی حبهم وسیرتهم

جو شخص بنظر انصاف دیکھے گا، فقہ اور اصول کے سمندروں میں غوطہ زن ہوگا۔ زیادتی سے کنارہ کش رہنے والا ہوگا تو اسے یقیناً اس سے آگاہی ہوگی کہ اکثر فروعی اور اصولی مسائل جن میں علماء اختلاف کرتے ہیں ان میں محدثین کا مذہب دیگر لوگوں کے مذہب سے زیادہ قوی ہوگا اور میں جب بھی اختلافی مسائل کی وادی میں قدم زن ہوتا ہوں تو مجھے محدثین کا مذہب ہی انصاف کے قریب دکھائی دیتا ہے تعجب ہے وہ لوگ کتنے اچھے ہیں کہ اللہ پاک بھی ان کی کوششوں کو بنظر تحسین دیکھتا ہے کیوں نہ ہو جب کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشین ہیں اور شریعت اسلامیہ کے پھیلانے میں آپ کے قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکی جماعت میں (قیامت کے روز) اٹھائے اور ان کی محبت اور سیرت پر ہماری وفات ہو

علامہ سبکی کا قول

علامہ سبکی (الفتاوی)[۲] میں تحریر کرتے ہیں

وبعد فان اهم امور المسلمین الصلوة یجب علی کل مسلم الاهتمام بها والمحافظة علی الاداء واقامة شعائرها وفیها امور مجمع علیها لا مندوحة عن الاتیان بها وامور اختلف العلماء فی وجوبها وطریق الرشاد فی ذلک امران اما ان یتحری الخروج عن الخلاف ان امکن واما ان ینظر ما صح عن النبی صلی الله علیه وسلم فیتمسك به فاذا فعل ذلك كانت صلوته صوابا صالحة داخلة

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کر مسلمانوں کے تمام کاموں میں سے نماز سب سے اہم ہے ہر مسلمان پر اس کا اہتمام اور اس کی ادائیگی پر ہمیشگی اور اس کے شعائر کا قیام ضروری ہے نماز میں کچھ ایسے افعال ہیں جن پر اجماع ہے ان کے بجالانے میں کچھ رکاوٹ نہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے۔ اختلاف کا حل دو طرح سے ممکن ہے۔ اولاً اگر ممکن ہو تو اختلاف کی الجھن سے کنارہ کشی اختیار کی جائے یا پھر جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ہو اس پر عمل پیرا ہو جائے جب کوئی شخص یہ کام کرے گا تو

۱؎ ص (۱۵۶) ۲؎ (۱/۱۴۸)

فی قولہ تعالیٰ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً۔ اس کی نماز درست اور قبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ نیک عمل کرے" میں داخل ہوگا۔

علامہ سبکی کے قول پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلی صورت میں تصفیہ ممکن نہیں اکثر مسائل میں اختلاف برقرار رہتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اکرتم اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتا دیکھتے ہو) بھی متحقق نہیں ہوتا اور نماز کی کیفیت آپ کی کیفیت کے مخالف ہوتی ہے۔ لہذا دوسری صورت قابل عمل ہے اور وہی صحیح ہے اس پر عمل کرنے سے نماز اسی طرح ادا ہوگی جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

ایک[1] شاعر ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے جو آپ کے اقوال، افعال کو زندگی کے تمام شعبوں میں ملحوظ رکھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

اھل الحدیث ھم اھل الرسول وان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا۔ اہل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ہیں اگرچہ وہ آپ کی زندگی میں تو آپ کے ساتھ نہ تھے آپ کے ملفوظات کے ساتھ تو ان کی رفاقت ہے۔

اس سعادت سے ہمکنار ہونے کے لیے ان شاء اللہ کتاب میں نماز کی کیفیات اذکار وغیرہ کے سلسلہ میں حدیث اور فقہ کی کتابوں سے متعلق قیمتی معلومات کو اکٹھا کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی اور جو شخص اس کے محتویات کے مطابق عمل کرے گا ان شاء اللہ وہ ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہے جن کو توفیق ایزدی سے ہدایت نصیب ہوتی ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[2]

مجھے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے نہ صرف اس تالیف میں بلکہ دیگر تمام تالیف میں بھی سنت سے دلائل فراہم کرکے ان پر بنیاد قائم کی ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ کسی ایک جزئی میں بھی سنت کی مخالفت نہ ہو اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ میری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ

---

[1] یہ شعر حسن بن محمد النسوی کا ہے۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اس کا ذکر ایک رسالہ میں کیا ہے جس کا عنوان فضل الحدیث واہلہ ہے۔ [2] البقرہ (۲۱۳)

لوگ ضرور ایسے بھی ہوں گے جو کتاب کو ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھیں گے بلکہ وہ زبان طعن دراز کریں گے اور مجھے ہدف ملامت بنانے سے گریز نہیں کریں گے لیکن مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں اس لئے کہ میرے دل میں یہ احساس بیدار رہتا ہے کہ تمام لوگوں کو راضی رکھنا ناممکن ہے اور پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من ارضی الناس بسخط اللہ وکلہ اللہ الی الناس۔	جس شخص نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا اللہ اس کو لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے

اسی مضمون کو ایک شاعر بہترین پیرایہ میں پیش کرتا ہے۔

ولست بناج من مقالۃ طاعن ولو کنت فی غار علی جبل وعر ومن ذا الذی ینجو من الناس سالما ولو غاب عنہم بین خافیتی نسر	میں زبان طعن دراز کرنے والے سے نجات حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ میری بود و باش کسی دشوار گزار پہاڑ کی غار میں کیوں نہ ہو کون شخص ہے جو لوگوں سے صحیح سالم رہا اگرچہ وہ ان سے اوجھل ہو کر گدھ کے پروں میں چھپ جائے۔

پس میرے لئے یہی بات قابل فخر ہے کہ میرا اعتقاد درست ہے اور میں اسی راہ پر گامزن ہوں۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے چلنے کا حکم دیا ہے اور جس کو ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو تمام انبیاء کے سردار ہیں اور یہی وہ سیدھی راہ ہے جس پر سلف صالحین صحابہ کرام تابعین ائمہ کرام رواں دواں رہے ہیں۔ نیز وہ ائمہ اربعہ جن کے مذہب کے پیروکار کثرت کے ساتھ موجود ہیں وہ بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ یہ سب لوگ اسی نظریہ پر متفق ہیں کہ تمام معاملات میں سنت کے ساتھ تمسک اختیار کیا جائے اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے سنت کے خلاف خواہ کسی کا قول ہو اس کو ترک کیا جائے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عظمت شان والا کون ہے؟ اور آپ کے بیان کردہ راستہ سے کس کا راستہ زیادہ ہدایت والا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ میں ان تمام کو اہل سنت کے زمرہ سے سمجھتا ہوں اور ان کی راہ نمائی میں قدم زن ہوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہوں اور ان کے اقوال کی اتباع کو حدیث کی روشنی میں اپنے لئے عز و افتخار کا

لہ ترمذی، القضاعی، ابن بستران۔ اس حدیث پر مفصل تبصرہ شرح العقیدۃ الطحاویہ کے حاشیہ میں دیکھیں صد ۳۳۶ طبع المکتب الاسلامی۔

سرمایہ تصور کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ائمہ کے بعض اقوال سنت رسول کے ساتھ متصادم ہیں۔ تاہم صراط مستقیم پر چلنے اور اختیار کرنے میں میرے لئے ان کے اقوال موثر ثابت ہوئے اس لئے کہ وہ درحقیقت راہ سنت کے ہی شیدائی تھے۔ عدم علم کی بناء پر اگر ان کے بعض اقوال سنت رسول سے متصادم ہیں تو وہ عنداللہ معذور اور ماجور ہیں ہمارے لئے صرف اسوۂ رسول ہی قابلِ اطاعت ہے اور ائمہ کی اندھی تقلید سے روگردانی کرنا ضروری ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ عنی خیراً

ائمہ کے اقوال ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کو بتائیں کہ جن ائمہ کی تقلید رواج پذیر ہے انہوں نے اپنی تقلید سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور اتباع سنت کی ترغیب دی ہے اور تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اتباع سنت کے مقابلہ میں ائمہ کے اقوال کو کیوں ورثی گردانا جاتا ہے کیا ائمہ کے اقوال اور مروجہ مذاہب کی صداقت من جانب اللہ ہے؟ اور کیا اس پر کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر کیوں اندھی تقلید[1] سے اعراض نہیں کیا جاتا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرون (الاعراف ۳)	لوگو! جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو اور تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول امام ابوحنیفہ کے تلامذہ نے ان سے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے مقابلہ میں ائمہ کے اقوال کا ترک ضروری ہے۔ چنانچہ سنئے:۔

۱۔ اذا صح الحدیث فھو مذھبی[2] صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔

ابن عابدین نے شیخ ابن الہمام سے نقل کیا ہے۔

شیخ ابن الہمام کا قول اذا صح الحدیث وکان علیٰ خلاف المذھب عمل بالحدیث جب کسی امام کے مذہب کے خلاف صحیح حدیث موجود ہو تو حدیث

---

[1] اندھی تقلید کے بارے میں امام طحاوی فرماتے ہیں (لا یقلد الا عصبی او غبی) تقلید یا متعصب کرتا ہے یا پھر غبی کرتا ہے رسم المفتی ابن عابدین صـ ۳۲ من مجموعہ رسائل۔ [2] ابن عابدین فی الحاشیہ (۱/۶۳) رسم المفتی رسالۃ من مجموعہ رسائل ابن عابدین۔ (۱/۴) ایقاظ الہمم للشیخ صالح صـ ۶۲

ویکون ذالک مذهبه ولا یخرج مقلده عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عن ابی حنیفة انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی وقد حکی ذالک الامام ابن عبدالبر عن ابی حنیفة وغیره من الائمة

پر عمل کرنے سے حنفیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ امام ابو حنیفہ سے یہ روایت ثابت ہے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ ابن عبدالبر نے امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ سے اس طرح کے اقوال نقل کئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کا علم و فضل تقویٰ و طہارت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ حدیث کی مخالفت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور انہوں نے کھلے لفظوں میں اظہار کیا کہ چونکہ ہمیں حدیث کا استقصاء نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے بعض اقوال حدیث کے مخالف ہوں لہٰذا حدیث کے ساتھ تمسک کرنا ہی ہمارا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ سے صراحتاً اس مفہوم کا قول مروی ہے آئندہ اوراق میں اس کا ذکر کیا جائے گا۔

۲۔ لایحل لاحد ان یاخذ بقولنا[1] مالم یعلم من این اخذنا

کسی شخص کے لئے ہمارے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے۔

اسی قسم کے اقوال امام ابو حنیفہ کے تلامذہ سے مروی ہیں چنانچہ الیقاظ[2] میں امام زفر، امام ابو یوسف، عافیہ بن یزید سے اس مضمون کے اقوال مروی ہیں۔ حافظ ابن قیم[3] نے امام ابو یوسف سے اس مضمون کا قول نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل سے واقف نہیں۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ میرے قول کے مطابق فتویٰ دے اس لئے کہ ہم انسان ہیں آج ہم ایک بات کہتے ہیں کل ہم اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔

پس جب بلا دلیل ان کا قول واجب العمل نہیں تو جب ان کے قول کے خلاف دلیل موجود ہو تو کیسے ان کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے یا اس پر عمل کرنا درست ہے۔ حیرت ہے کہ

---

[1] الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء لابن عبدالبر ص ۱۴۵ - اعلام الموقعین لابن القیم (۳۰۹/۲) حاشیہ بحر الرائق لابن عابدین (۲۹۳/۶) رسم المفتی ص (۲۹ - ۳۰) میزان للشعرانی (۱/۵۵) التاریخ لابن معین (۱/۷۷/۶) [2] (۵۲) [3] (۳۴۴/۲)

اس قدر صراحت کے باوجود کیوں ائمہ کے اقوال پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ وہ حدیث صحیح کے خلاف ہوں اگر غور کیا جائے تو ائمہ سے منقول یہی قول تقلید کے پرخچے اڑا دینے کے لئے کافی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مقلدین مشائخ نے اس قسم کے مروی اقوال کی ان سے نفی کر دی ہے۔

امام صاحبؒ سے ایک دوسری روایت میں ذیل کے الفاظ مروی ہیں۔

ویحك یا یعقوب (وھو ابو یوسف) لا تکتب کل ما تسمع منی فانی قد اری الرای الیوم واترکہ غداً واری الرای غداً واترکہ بعد غدٍ

اے ابو یوسف تجھ پر افسوس تجھے وہ تمام باتیں لکھنی جائز نہیں جو مجھ سے سنتا ہے۔ اس لئے کہ آج میری ایک رائے ہوتی ہے کل بدل جاتی ہے اور کل ایک رائے ہوتی ہے پرسوں بدل جاتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے اقوال کی بنیاد قیاس پر تھی جب انہیں پہلے قیاس سے زیادہ قوی قیاس معلوم ہو جاتا۔ یا حدیث نبوی سے آگاہی حاصل ہو جاتی تو وہ قیاس چھوڑ کر قوی قیاس یا حدیث پر عمل فرماتے

علامہ شعرانی کا قول | علامہ شعرانی، میزان میں رقمطراز ہیں۔[۱]

واعتقادنا واعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ انہ لو عاش حتی دونت الشریعۃ وبعد رحیل الحفاظ فی جمعھا من البلاد والثغور وظفر بھا لاخذ بھا وترك کل قیاس کان قاسہ وکان القیاس قل فی مذھبہ کما قل فی مذھب غیرہ بالنسبۃ الیہ لکن لما کانت ادلۃ الشریعۃ مفرقۃ فی عصرہ مع التابعین وتابع التابعین فی المدائن والقری والثغور کثر القیاس فی مذھبہ بالنسبۃ الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلك المسائل التی قاس فیھا بخلاف غیرہ من الائمۃ فان الحفاظ

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا اور ہر منصف مزاج انسان کا اعتقاد ہے کہ شریعت کی تدوین (اور جب حفاظ حدیث نے حدیث کے جمع کرنے میں دور دراز کے شہروں کا سفر کیا) تک اگر وہ زندہ رہتے اور احادیث پا لیتے تو وہ ہر قسم کے قیاس کو چھوڑ کر احادیث پر عمل پیرا ہوتے اور جس طرح دیگر ائمہ کے مذہب میں قیاس کا وجود کم ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ کے مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا چونکہ ان کے دور میں شریعت کے دلائل تابعین تبع تابعین کے ہاں متفرق شہروں میں متفرق طور پر موجود تھے (یعنی مدون نہ ہوئے تھے) اس لئے بنسبت دیگر ائمہ کے ان کے مذاہب میں قیاس کی کثرت نظر آ رہی ہے اس لئے کہ جن مسائل میں انہیں نص نہ مل سکی ان میں انہوں نے

---

[۱] (۱/۶۲)

كانوا قد رحلوا في طلب الاحاديث وجمعها في عصرهم من المدائن والقرى ودونوها فجاوبت احاديث الشريعة بعضها بعضا فهذا كان سبب كثرة القياس في مذهبه وقلته في مذاهب غيره۔	قیاس سے کام لیا لیکن دیگر ائمہ کے دور میں حفاظ حدیث نے طلب حدیث میں سفر اختیار کر کے احادیث کو یکجا جمع کیا اور احادیث کا توافق عمل میں آیا اس سبب سے امام صاحب کے مذہب میں قیاس زیادہ نظر آتا ہے اور دیگر ائمہ کے مذاہب میں کم نظر آتا ہے۔

تقریباً اس حوالہ کو علامہ ابوالحسنات نے النافع الکبیر[1] میں نقل فرما کر اس پر تائیدی نوٹ لکھ کر اس مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ارادتاً قصداً صحیح حدیثوں کی مخالفت نہیں کی ہے۔ عدم علم کی بناء پر وہ معذور تھے اور ان کا عذر قابل قبول ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لا يكلف الله نفسا الا وسعها۔	خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

پس کسی طرح بھی جائز نہیں کہ امام ابوحنیفہ کو مطعون قرار دیا جائے اور وہ لوگ جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو ان کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ چونکہ امام ابوحنیفہؒ ان ائمہ سے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے کوششیں فرمائیں اور ان کے ذریعے دین کے فروع سے ہمیں آگاہی حاصل ہوئی اس لئے ان کا ادب و احترام ضروری ہے اور اگر انہوں نے قیاس کیا ہے تو وہ بہرحال عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں خواہ ان کا قیاس صحیح تھا یا ان سے قیاس میں غلطی ہوئی البتہ جو لوگ ان کے ان اقوال کو نہیں چھوڑتے ہیں جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں وہ درحقیقت ان کی تعظیم نہیں کر رہے ہیں اور نہ ان کے مذہب کی موافقت کر رہے ہیں ان کے مذہب کے بارے میں نصوص موجود ہیں کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ پس نہ تو وہ لوگ راہ صواب پر ہیں جو امام صاحب کے خلاف بے ادبی کے الفاظ نکالتے ہیں اور نہ ہی وہ لوگ جو ان کی اندھی تقلید میں مستغرق ہیں اور ان کے اقوال کی حمایت میں حد اعتدال سے متجاوز ہیں۔ حق پرست لوگ وہ ہیں جو اعتدال کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

---

[1] صـ ۱۳۵

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم

۳ - اذا قلت قولا یخالف کتاب اللہ تعالیٰ وخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فاترکوا قولی[1]

جب میں ایسی بات کہوں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو۔

علامہ فلانی نے اس قول کو امام محمد کی طرف بھی منسوب کیا ہے مزید لکھا ہے کہ یہ قول مقلد کے لئے ہے کہ وہ تقلید چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل پیرا ہو جائے مجتہد اس سے خارج ہے۔

علامہ شعرانی کا قول ہے

علامہ شعرانی، المیزان میں رقمطراز ہیں[2]

فان قلت فما اصنع بالاحادیث التی صحت بعد موت امامی ولم یاخذ بها فالجواب الذی ینبغی لك ان تعمل بها فان امامك لو ظفر بها وصحت عنده لربما كان امرك بها فان الائمة كلهم اسری فی ید الشریعة ومن فعل ذالك فقد حاز الخیر بكلتا یدیه ومن قال لا اعمل بحدیث الا ان اخذ به امامی فاته خیر كثیر كما علیه كثیر من المقلدین لائمة المذاهب و كان الاولی لهم العمل بكل حدیث صح بعد امامهم تنفیذ الوصیة الائمة فان اعتقادنا فیهم انهم لو عاشوا وظفروا بتلك الاحادیث التی صحت

اگر معترض اعتراض کرے کہ آپ کے امام کی وفات کے بعد جن حدیثوں کی صحت ثابت ہو جائے کیا ان پر عمل ہو گا؟ جب کہ آپ کے امام نے ان پر عمل نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر امام صاحب ان حدیثوں پر مطلع ہو جاتے اور ان کے ہاں ان کی صحت ثابت ہوتی تو وہ اپنے تلامذہ کو ان کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیتے اس لئے کہ تمام ائمہ شریعت کے پابند ہوتے ہیں پس جو شخص صحیح حدیث پر عمل کرتا ہے وہ اپنے دامن کو خیر سے بھر لیتا ہے اور جو شخص حدیث پر اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک کہ اس کا امام اس حدیث پر عمل نہ کرے تو وہ خیر کثیر سے محروم ہو گیا۔ جیسا کہ ائمہ کے اکثر مقلدین کا یہی حال ہے حالانکہ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے مقتدا امام کی وفات

[1] الایقاظ للفلانی (ص ۵۰) [2] (۲۶/۱)

بعد هم لاخذوا بها وعملوا بما فيها وتركوا كل قياس كانوا قاسوه وكل قول كانوا قالوه۔ | کے بعد صحیح حدیث پر عمل کرتے اس لئے کہ ان کے امام کی وصیت یہ ہے اگر قول کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرو) اور ائمہ کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور ان کے بعد جن احادیث کی صحت معلوم ہو سکی ہے اس سے انہیں اگاہی حاصل ہوتی تو وہ ان پر عمل کرتے اور ہر قسم کے قیاس اور قول کو ترک فرماتے۔

امام مالکؒ کا قول

۱- انما انا بشر اخطیٔ واصیب فانظروا فی رایی فکل ما وافق الکتاب والسنۃ فخذوہ وکل مالم یوافق الکتاب والسنۃ فاترکوہ[۱] | میں بشر ہوں مجھ سے کبھی خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے اور کبھی درست بات بھی نکل جاتی ہے میری رائے کو دیکھو اگر کتاب وسنت کے موافق ہو تو اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور اگر کتاب وسنت کے موافق نہ ہو تو اس پر عمل نہ کرو۔

۲- ولیس احد بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ویؤخذ من قولہ ویترك الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جو شخص بھی ہے اس کا قول تسلیم بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی (لیکن آپ کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

متاخرین کے قول کے نزدیک اس قول کی نسبت امام مالک کی طرف عام مشہور ہے ابن الهادی نے ارشاد السالک[۲] میں اس کو صحیح کہا ہے۔ تقی الدین سبکی نے الفتاوی میں اس کو ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اس سے مجاہد نے سنا اور مجاہد سے امام مالک نے سنا اب اس کی شہرت ان کی جانب ہو گئی ہے۔ پھر ان سے امام احمدؒ نے سنا چنانچہ امام ابو داؤد مسائل الامام احمد[۳] میں فرماتے ہیں:۔

امام احمد کا قول

سمعت احمد یقول لیس احد الا ویؤخذ من رایہ ویترك ماخلا | امام احمد سے سنا فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کے قول کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے

۱؎ الجامع لابن عبدالبر (۲/ ۳۲) اصول الاحکام ابن حزم (۶/ ۱۴۹) الایقاظ صد ۷۲

۲؎ (۲۲۷/۱) ابن عبدالبر فی الجامع (۲/ ۹۱) اصول الاحکام ابن حزم (۶/ ۱۴۵، ۱۷۹) من قول الحکم بن عتیبۃ ومجاہد صد ۳ (۱/ ۱۴۸) ۴؎ صد ۲۷۶

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قال ابن وھب سمعت مالکًا عن تخلیل اصابع الرجلین فی الوضوء فقال لیس ذالک علی الناس

قال فترکتہ حتی خف الناس فقلت لہ عندنا فی ذالک سنۃ فقال وما ھی قلت حدثنا اللیث بن سعد وابن لھیعۃ وعمرو بن الحارث عن یزید بن عمرو المعافری عن ابی عبد الرحمٰن الحبلی عن المستورد بن شداد القرشی قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدلک بخنصرہ ما بین اصابع رجلیہ فقال ان ھذا الحدیث حسن وما سمعت بہ قط الا الساعۃ ثم سمعتہ بعد ذالک یسأل فیامر بتخلیل الاصابع[۱]

ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے وضو میں پاؤں کی انگلیوں کے مسح کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواب دیا مسح ضروری نہیں ایہ سن کر میں خاموش رہا جب لوگ ذرا کم ہوتے تو میں نے عرض کیا اس مسح کے بارے میں حدیث موجود ہے اس نے کہا کونسی حدیث ہے۔ میں نے بیان کیا کہ ہمیں لیث بن سعد، ابن لہیعہ عمرو بن حارث نے یزید بن عمرو معافری سے نقل کیا۔ اس نے ابو عبدالرحمٰن جبلی سے اس نے مستورد بن شداد قریشی سے اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی چھنگلیا انگلی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کا مسح فرماتے اس نے حدیث سن کر کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور میں نے یہ حدیث اس سے پہلے نہیں سنی راوی نے بیان کیا اس کے بعد جب بھی ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ انگلیوں کے خلال کا حکم فرماتے۔

امام شافعی کا قول

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ سے بہت کچھ منقول ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے پیروکاران کے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرتے ہیں سنیئے :

ما من احد الا وتذھب علیہ سنۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعزب عنہ فمھما قلت من قول او اصلت من اصل

ہر شخص کا یہ حال ہے کہ کبھی سنت اس کے سامنے ہو گی اور کبھی اس سے مخفی ہو گی لہٰذا جب میں کوئی بات کہوں یا کوئی اصول بیان کروں اور وہ رسول اللہ

[۱] مقدمہ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (ص ۳۱-۳۲)

فیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ما قلت فالقول ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قولی [۵]

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف ہو تو اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو تسلیم کرو وہی میرا قول ہے۔

ابن حزم کا قول

ابن حزم امام شافعیؒ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

ان الفقھاء الذین قلدوا مبطلون للتقلید وانھم نھو اصحابھم عن تقلیدھم وکان اشدھم فی ذالک الشافعی فانہ رحمہ اللہ بلغ من التاکید فی اتباع صحاح الاثار والاخذ بما اوجبتہ الحجۃ حیث لم یبلغ غیرہ وتبرء من ان یقلد جملۃ واعلن بذالک نفع اللہ بہ واعظم اجرہ فلقد کان سبباً الی خیر کثیر

جن فقہا کی تقلید ہو رہی ہے انہوں نے تقلید کو باطل کہا ہے اور اپنے پیروکاروں کو اپنی تقلید سے روکا ہے تمام ائمہ سے زیادہ متشدد امام شافعی ہیں جب کہ وہ سخت تاکید فرماتے ہیں کہ صحیح آثار کا اتباع کیا جائے اور دلائل کی روشنی میں چلا جائے اور فی الجملہ تقلید سے برأت کا واضح طور پر اعلان فرمایا ہے اللہ پاک ان کے قول سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ خیر کثیر کا سبب بنے ہیں۔

۲۔ اجمع المسلمون علی ان من استبان لہ سنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحل لہ ان یدعھا لقول احد [۳]

تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جس شخص کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آجائے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی امام کے قول کی بناء پر سنت کا ترک کرے۔

۳۔ اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعوا ما قلت [۴]

جب تم میری کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کوئی بات پاؤ تو سنت کے مطابق چلو اور میرے قول کو چھوڑ دو

---

[۱] تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۵/۱/۳) اعلام الموقعین (۲/ ۳۶۳، ۳۶۴) الایقاظ صد ۱۰۰ [۲] الاحکام (۱۱۸/۶) [۳] ابن القیم فی الاعلام (۲ / ۳۶۱) الفلانی (ص ۶۸) [۴] الھروی فی ذم الکلام (۳/ ۴۷/ ۱)

باقی صد ۳۱ پر

۴۔ اذا صح الحدیث فھو مذھبی ۔ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔

امام نووی کا قول

چونکہ ہمارے امام کا قول ہے کہ صحیح حدیث ان کا مذہب ہے اس بناء پر شوافع مسئلہ تثویب اور احرام میں بیماری کے عذر کی وجہ سے حلال ہونے کی شرط لگانے میں حدیث پر عمل کرتے ہیں ابو یعقوب بویطی، ابو القاسم دارکی، امام ابوبکر بیہقی اور دیگر محدثین اسی نظریہ کے حامل تھے اور متقدمین شوافع جب کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف صحیح حدیث معلوم کر لیتے تو حدیث پر عمل کرتے اور اس بات کا ذکر کرتے کہ ہمارے امام کا وہی مذہب ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

شیخ ابو عمرو ابن الصلاح کا قول

امام شافعی کا پیروکار اپنے امام کے مذہب کے خلاف جو حدیث پائے تو اگر اس میں اجتہاد کے اسباب موجود ہوں یا خاص طور پر اس مسئلہ میں اس کا اجتہاد قابل قبول ہو تو وہ اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے لیکن اگر وہ مقام اجتہاد پر فائز نہیں اور وہ حدیث کی مخالفت کرنے سے بھی بچنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث پر عمل کرے اور اگر امام شافعی کے علاوہ کسی دوسرے امام مستقل سے بھی حدیث کے مطابق قول موجود ہے تو اس کے لئے معقول عذر ہے وہ اپنے امام کے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرے واللہ اعلم حافظ ابن الصلاح کے قول میں اس صورت کا ذکر نہیں ہے کہ اگر حدیث پر کسی امام نے عمل نہیں کیا تو پھر کونسی صورت اختیار کی جائے؟ اس کا جواب علامہ تقی الدین سبکی کی زبان سے سنیے کہ وہ رسالہ میں امام شافعی کے قول کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

علامہ تقی الدین سبکی کا قول

والاولی عندی اتباع الحدیث ولیفرض	میرے نزدیک حدیث کی پیروی کرنا مناسب ہے
الانسان نفسہ بین یدی النبی	ہر انسان اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
صلی اللہ علیہ وسلم وقد سمع	سامنے سمجھے اور یہ کہ وہ آپ سے حدیث سن رہا
ذالک منہ ایسع التأخر عن العمل	ہے کیا (اس تصور کے ہوتے ہوئے) حدیث پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳ الخطیب فی الاحتجاج بالشافعیؒ (۲/۸) ابن عساکر (۱۵/۹/۱۰) النووی فی المجموع (۱/۶۳) ابن القیم (۲/۳۶۱) الفلانی (صد ۱۰۰) لہ النووی حوالہ الشعرانی (۱/۵۷) الفلانی (صد ۱۰۰) ابن حزم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ۲ہ صد ۱۰۲/۳۷۰)

به لا والله فكل واحد مكلف بحسب فهمه۔

عمل کرنے سے پس وپیش جائز ہے ہرگز نہیں۔ واللہ ہر انسان اپنے فہم کے لحاظ سے مکلف ہے۔

مزید تحقیق کے لئے اعلام الموقعین[1]، ایقاظ ہمم اولی الابصار کو مطالعہ کریں۔ خاص طور پر آخر الذکر کتاب اس مسئلہ میں بہترین شاہکار ہے۔ حق تلاش کرنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ غور وفکر کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

۵۔ انتم اعلم بالحديث والرجال مني فاذا كان الحديث الصحيح فاعلموني به اي شيء يكون كوفيا او بصريا او شاميا حتى اذهب اليه اذا كان صحيحا[2]

تم حدیث اور اس کے رواۃ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہو جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے مجھے بتا دیا کرو خواہ اس کے راوی کوفی ہوں یا بصری یا شامی میں حدیث پر عمل پیرا ہوں گا جب کہ حدیث صحیح ہوگی۔

امام شافعی کا خطاب امام احمد بن حنبل سے ہے جیسا کہ خطیب نے اس کی وضاحت کی ہے۔

امام بیہقی کا قول

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی دیگر ائمہ سے حدیث کے ساتھ زیادہ ارتباط رکھتے ہیں۔ انہوں نے طلب حدیث میں حجاز، شام، یمن، عراق کا سفر اختیار کیا اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا اور جس حدیث کو انہوں نے صحیح سمجھا بلا خوف وخطر اس کو پھیلایا۔ انہوں نے اپنے شہر کے علماء کے مذہب کی طرف بالکل التفات نہ کیا جب کہ وہ صحیح نہ تھا۔ حالانکہ ان سے پہلے ائمہ کا عام طور پر وطیرہ تھا کہ وہ اپنے شہر کے علماء کے مذہب کا بہر حال پرچار کرتے۔ اور ان کی مخالفت کا خیال بھی نہ لاتے۔ والله يغفر لنا ولهم۔

۶۔ كل مسئلة صح فيها الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عند اهل النقل بخلاف ما قلت فانا راجع

جس مسئلہ میں محدثین کے ہاں میرے قول کے خلاف صحیح حدیث موجود ہو تو میں اپنے قول سے زندگی میں اور بعد از وفات رجوع کرتا ہوں،

---

[1] (۲/ ۳۰۲، ۳۰۰) [2] الاحتجاج بالشافعی للخطیب (۸/ ۱) ابن عساکر (۱۵/ ۹/ ۱) الانتقاء لابن عبد البر ص ۷۵، مناقب الامام احمد لابن الجوزی (ص ۴۹۹) الهروی (۲/ ۴۷/ ۲) تین طرق سے مروی ہے امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ اپنے باپ امام احمد سے کہ امام شافعی نے ان سے فرمایا۔ اعلام لابن القیم ۲۲۵، جلد ۲ الایقاظ للفلانی ص ۱۵۲

عنها في حياتي وبعد موتي[1]

۷۔ اذا رأيتموني أقول قولاً وقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم خلافه فاعلموا ان عقلي قد ذهب[2]

جب تم مجھے دیکھو کہ میں ایک بات کہتا ہوں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف قول صحیح ہے تو سمجھ لو میری عقل زائل ہے۔

۸۔ كل ما قلت فكان عن النبي صلى الله عليه وسلم خلاف قولي مما يصح فحديث النبي اولى فلا تقلدني[3]

جو بات میں کہوں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہو تو آپ کی بات درست ہے لہذا میری تقلید نہ کرو۔

(امام احمد بن حنبل)

سنت کے ساتھ تمسک اختیار کرنے میں امام احمد کا مقام دیگر ائمہ سے بہت اونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دیگر ائمہ سے حدیث کے جمع کرنے میں نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ یہیں اور فروعات، آراء پر مشتمل کتابوں کو بنظر کراہت دیکھا۔[4] ان کا مشہور قول ہے

۱۔ لا تقلدني ولا تقلد مالكاً ولا الشافعيَّ ولا الاوزاعي ولا الثوري وخذ من حيث اخذوا[5]

نہ میری تقلید کرنا نہ مالک، شافعی، اوزاعی، ثوری کی تقلید کرنا جہاں سے انہوں نے علم حاصل کیا، تم بھی وہیں سے علم حاصل کرو۔

۲۔ رأي الاوزاعي ورأي مالك ورأي ابي حنيفة كله رأي وهو عندي سواء وانما الحجة في الآثار[6]

اوزاعی، مالک، ابو حنیفہ سب کی رائے، رائے ہے اور ان سب کی رائے برابر ہے حجت تو احادیث ہیں۔

۳۔ من رد حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو على شفا هلكة[7]

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا رد کرتا ہے وہ بربادی کے کنارے پر ہے۔

ائمہ کرام کے بیان کردہ اقوال سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ وہ کس قدر حدیث کے

۱۔ الهروی (۴۷/۱) اعلام الموقعین ص۲۶۳ جلد ۲ الایقاظ ص۱۰۴ ۲۔ الامالی لابی القاسم السمرقندی کما فی المنتقی منہا لابی حفص المؤدب ص۲۳۴ جلد ۱ ابن عساکر (۱/۱۰/۱۵) ۳۔ ابن عساکر (۲/۹/۱۵) ۴۔ المناقب لابن الجوزی ص۱۹۲ ۵۔ الفلانی (ص۱۱۳) اعلام الموقعین ص۳۰۲ جلد ۲ ۶۔ الجامع لابن عبدالبر ص۱۴۹ جلد ۲ ۷۔ ابن الجوزی (ص۱۸۲)

شیدائی تھے اور حدیث کے ساتھ تمسک کا حکم دیتے رہے اور اندھی تقلید سے منع فرماتے رہے انہوں نے بلا جھجک اعلان فرمایا کہ جو شخص سنت صحیحہ کے ساتھ تمسک اختیار کرے گا اسے ہماری مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اس لئے کہ سنت صحیحہ ہی ہمارا مذہب ہے۔ وہ دراصل ہماری مخالفت نہیں کر رہا ہے بلکہ ہماری موافقت کر رہا ہے اور ہمارے طریقہ پر چل رہا ہے لیکن جو شخص بظاہر ہماری مخالفت سے بچاؤ کرتے ہوئے سنت صحیحہ کو ترک کرتا ہے اور ہمارے اقوال پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ نافرمان ہے اور دراصل ہمارے اقوال کے خلاف عمل پیرا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً [1]

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے

نیز فرمایا

فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم [2]

تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

حافظ ابن رجب کا قول

فالواجب على كل من بلغه امر الرسول صلى الله عليه وسلم وعرفه ان يبينه لامته وينصح لهم ويامرهم باتباع امره وان خالف ذالك راى عظيم من الامة فان امر رسول الله صلى الله عليه وسلم احق ان يعظم ويقتدى به من راى اى معظم قد خالف

جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہنچا اور اس نے اس کو معلوم کر لیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو امت محمدیہ تک پہنچائے امت کی خیر خواہی کرے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلنے کی تاکید کرے اگرچہ امت میں سے کسی عظیم الشان کی رائے اس حکم کے خلاف کیوں نہ ہو۔

---

[1] النساء ۶۵ ، [2] النور ۶۳

امرہ فی بعض الاشیاء خطأ ومن ھٰھنا رد الصحابۃ ومن بعدھم علی کل مخالف سنۃ صحیحۃ وربما اغلظوا فی امر لا بغضا لہ بل ھو محبوب عندھم معظم فی نفوسھم لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الیھم وامرہ فوق امر کل مخلوق فاذا تعارض امر الرسول وامر غیرہ فامر الرسول اولی ان یقدم ویتبع ولا یمنع من ذالک تعظیم من خالف امرہ وان کان مغفوراً بل ذالک المخالف المغفورلہ لا یکرہ ان یخالف امرہ اذا ظہر امر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بخلافہ[۱]

اس لئے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس لائق ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے اور اور بڑے سے بڑے انسان کے مقابلہ میں آپ کی اقتدا کی جائے، جس نے غلطی سے کسی بات میں بعض اوقات مخالفت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے سنت صحیحہ کی مخالفت کرنے والوں کا زوردار الفاظ میں رد کیا ہے لیکن کیا انہیں اس انسان کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی تھی نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقتاً وہ تو ان کے ہاں قابل تعظیم تھا اور وہ اس کے ساتھ محبت کا دم بھرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا انہیں غلبہ تھا اور آپ کا حکم تمام مخلوق سے مقدم تھا اس لئے جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں کسی بھی انسان کا حکم مخالف ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مقدم سمجھا اور اسی کی اتباع کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کا قول آپ کے قول کے مخالف ہے اس کی تعظیم نہ کی جائے وہ تو مغفور لہ ہے اس لئے کہ وہ قطعاً اس بات کو مکروہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے مخالف قول پر عمل نہ کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف خواہ والدین یا اساتذہ کا فرمان ہو تو پھر بھی وہ اس لائق نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے۔ امام طحاوی کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

امام طحاوی کا قول

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں[۲] صحیح سند کے ساتھ سالم سے بیان کرتے ہیں۔

قال انی لجالس مع ابن عمر رضی اللہ عنہ

سالم بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں ابن عمر کی

۱۔ تعلیق ایقاظ ص ۹۳ ۲۔ ص (۱/ ۳۷۲) مسند احمد (رقم ۵۷۰۰) ترمذی بشرح التحفۃ ص ۸۲ جلد ۲

فی المسجد اذ جاءہ رجل من اھل الشام فسألہ عن التمتع بالعمرۃ الی الحج فقال ابن عمر حسن جمیل فقال فان اباک کان ینھی عن ذالک فقال ویلک فان کان ابی قد نھی عن ذالک وقد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بہ فبقول ابی تاخذ ام بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بامر رسول صلی اللہ علیہ وسلم فقال فقم عنو

مجلس میں تھا۔ ایک آدمی شام کے باشندوں میں سے آیا اس نے تمتع کے بارے میں سوال کیا ابن عمر نے فرمایا تمتع کرنا درست ہے اس نے اعتراض کیا کہ تیرا باپ اس سے منع کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا تجھے افسوس ہے اگرچہ میرا باپ منع کرتا ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا اور اس کا حکم دیا ہے تو کیا میرے باپ کے قول کو تسلیم کرے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کرے گا۔ اس نے کہا رسول اللہ کے حکم کو تسلیم کروں گا اس پر اس نے اسکو واپس جانے کا حکم دیا۔

اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہو رہی ہے جو ابن عساکر میں ہے۔

ابن عساکر کی روایت

عن ابن ابی ذئب قال قضی سعد بن ابراھیم یعنی ابن عبد الرحمٰن بن عوف علی رجل برای ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن فاخبرتہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف ما قضی بہ فقال سعد لربیعۃ ھٰذا ابن ابی ذئب وھو عندی ثقۃ یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف ما قضیت بہ فقال لہ ربیعۃ قد اجتھدت ومضیٰ حکمک فقال سعد واعجباً انفذ قضاء سعد ولا انفذ قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ارد قضاء سعد بن ام سعد وانفذ قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن ابی ذئب نے بیان کیا کہ سعد بن ابراہیم یعنی ابن عبد الرحمٰن بن عوف نے ایک آدمی کے خلاف ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا میں نے اس کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ سعد نے ربیعہ سے بیان کیا یہ ابن ابی ذئب ہیں۔ میرے نزدیک ثقہ ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرے فیصلے کے خلاف بیان فرماتے ہیں ربیعہ نے اس سے کہا میں نے اجتہاد کیا اور تیرا فیصلہ جاری ہو گیا۔ سعد نے کہا ہائے رے تعجب میں سعد کا فیصلہ نافذ کروں اور رسول اللہ صلی اللہ کا فیصلہ نافذ نہ کروں بلکہ میں سعد کے فیصلے کو رد کروں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نافذ کروں گا

فدعا سعد بکتاب القضیة فشقه وقضیٰ للمقضی علیہ[1] چنانچہ سعد نے فیصلے کی تحریر منگوائی اور اس کو پھاڑ ڈالا اور جس کے خلاف فیصلہ دیا تھا اس کے حق میں فیصلہ دیا۔

معلوم ہوا کہ دین اسلام میں اجتہاد جائز ہے اور اجتہاد کے غلط ہونے کی صورت میں بھی مجتہد اجر و ثواب کا حق دار ہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فیصلہ کرنیوالا صحیح اجتہاد کی صورت میں دگنے ثواب کا حقدار ہے اور غلط اجتہاد کی صورت میں بھی ایک ثواب کا حقدار ہے چنانچہ ائمہ کرام نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ سنت کے خلاف ان کے اقوال کو چھوڑ دیں۔ اس راہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے نکل گئے ہیں وہ اپنے شاگردوں کو حکم دیا کرتے تھے۔ جب مجھے سنت صحیحہ کا علم نہ ہو اور تمہیں اس کا علم ہو جائے تو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کو میری طرف منسوب کردو۔ یا اگر میرا قول سنت صحیحہ کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ کر سنت صحیحہ پر عمل پیرا ہو جاؤ وہی میرا قول ہے، وہی میرا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب علامہ ابن دقیق العید نے ان مسائل کو ایک ضخیم جلد میں جمع کیا جن میں آئمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام نے انفرادا" یا اجتماعاً" مخالفت کی ہے تو اس نے کتاب کے شروع میں تحریر کیا کہ ان مسائل کی نسبت آئمہ مجتہدین کی طرف کرنا حرام ہے اور فقہاء مقلدین پر لازم ہے کہ آئمہ کرام کا احترام کرتے ہوئے ان غلط مسائل کو ان کی طرف منسوب نہ کریں۔ ان کا ان کی طرف منسوب کرنا ان پر کذب بیانی اور بہتان طرازی کے مترادف ہے۔[2]

آئمہ کے اقوال چھوڑ کر سنت کا اتباع کرنے والے اہل علم

آئمہ کے متبعین کا جائزہ لینے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے پیشوا ائمہ کے تمام اقوال پر کاربند نہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا فلاں قول سنت کے منافی ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا غور کیجیے امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد امام محمد رح اور امام ابو یوسف رح اپنے استاذ کے ⅓ مسائل میں مخالفت کرتے ہیں[3] فقہ کے فروعی مسائل پہ مشتمل

---

[1] (۱/۱۵/۷) [2] الفلانی صہ ۹۹ [3] ابن عابدین فی الحاشیۃ (۱/۶۲) النافع الکبیر (صہ ۹۳)

کتابیں دیکھنے سے ہمارا مدعا ثابت ہو جائے گا۔

امام مزنیؒ جو امام شافعیؒ کے شاگرد رشید ہیں وہ بھی اپنے استاذ کے اقوال تسلیم نہیں کرتے ہیں جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کے خلاف ہیں چنانچہ امام شافعی کی مشہور کتاب (الام) کے حاشیہ میں فقہ الشافعی کا اختصار پیش کرتے ہوئے امام مزنی رقمطراز ہیں۔

امام مزنی کی وضاحت

اختصرت هذا الکتاب من علم محمد بن ادریس الشافعیؒ ومن معنیٰ قوله لاقربه علیٰ من اراده مع اعلامه نهیه عن تقلیده وتقلید غیره لینظر فیه لدینه ویحتاط فیه لنفسه

میں نے اس کتاب کو امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے علم اور اس کے اقوال کے معانی سے اختصار کر کے پیش کیا ہے مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں آسانی ہو اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے مطلع ہونا بھی ضروری ہے کہ انہوں نے واضح لفظوں میں اپنی اور دیگر آئمہ کی تقلید سے روکا ہے۔ دین کی معرفت حاصل کرنے کے لئے مطالعہ کریں اور احتیاط کا دامن کبھی ترک نہ کریں۔

امام محمد کا تقلید کے بارے میں ریمارک

موطا امام محمد میں امام محمدؒ فرماتے ہیں [۱]

الامام ابوحنیفهؒ فکان لا یریٰ فی الاستسقاء صلوٰة واما فی قولنا فان الامام یصلی بالناس رکعتین ثم یدعو ویحول رداءه۔

امام ابوحنیفہؒ استسقاء میں کسی نماز کے قائل نہیں لیکن ہمارا قول ان کے خلاف ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے پھر دعا کرے اور اپنی چادر تبدیل کرے۔

موطا امام محمد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بیس مسائل میں اختلاف کیا ہے [۲]

عصام بن یوسف بلخیؒ کا امام ابوحنیفہ کے خلاف فتویٰ

عصام بن یوسف بلخی جو امام محمد کے تلامذہ [۳] اور امام ابویوسف کے رفقاء

[۱] (صفحہ ۱۵۸) [۲] التعلیق الممجد علیٰ موطا محمد ۴۲، ۴۴، ۱۰۳، ۱۲۰، ۱۵۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۴، ۳۱۴، ۳۳۱، ۳۳۸، ۳۵۵، ۳۵۶،

[۳] ابن عابدین فی الحاشیة (۱/ ۷۴) رسم المفتی (۱/ ۱۷) الجواہر المضیة فی طبقات الحنفیة ص ۳۴۷

سے ہیں۔[1] وہ اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ جب انہیں امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق دلیل نہ ملتی تو وہ ان کے خلاف دلیل کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے۔ چنانچہ وہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے۔[2] جیساکہ سنت متواترہ سے رفع الیدین ثابت ہے اور انہیں تینوں آئمہ کا رفع الیدین نہ کرنا رفع الیدین کرنے سے روک نہ سکا اس لئے کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ آئمہ کے اقوال کے مقابلہ میں سنت پر عمل پیرا ہے جب کہ آئمہ نے خود اقرار کیا ہے کہ سنت کے مقابلہ میں ہمارے اقوال پر عمل نہ کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ مکحول کا امام ابوحنیفہ سے روایت کرنا کہ رفع الیدین کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے باطل ہے اس لیے کہ عصام بن یوسف بھی تو ابویوسف کے رفقاء سے تھے اور وہ رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اگر مکحول کی بیان کردہ روایت درست ہوتی تو ابویوسف اور عصام کو اس کا علم ہوتا تو وہ کیوں رفع یدین کرتے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی حنفی کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ دیتا ہے اس لیے کہ دلیل اس کی مخالف جانب میں ہے تو وہ تقلید کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا بلکہ ترک تقلید کی صورت میں عین تقلید ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ عصام بن یوسف نے جب امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف فتویٰ دیا ہے تو وہ حنفیت سے خارج ہو گئے ہرگز نہیں وہ اب تک آئمہ احناف سے شمار ہوتے ہیں۔ (الی اللہ المشتکیٰ)۔

تعجب ہے کہ اس دور میں جہلاء ان لوگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جو کسی ایک مسئلہ میں اپنے امام کے قول پر عمل نہیں کرتے اور اس کو مقلدین کی فہرست سے خارج کر بیٹھتے ہیں عوام الناس پہ تو اتنا تعجب نہیں، انہیں واقفیت نہیں۔ البتہ ان لوگوں پر تعجب ہے جو علماء کے زمرہ میں سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کی سوچ کے زاویے عوام کالانعام سے زیادہ نہیں۔

خلاصۃ المرام اس کتاب کے مطالعہ میں قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ وہ تقلید کے پیش نظر کتاب سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ اور ہمارے

---

[1] الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ (ص ۱۱۶) [2] البحر الرائق (۶/۹۳) رسم المفتی (۱/۲۷) [3] الفوائد ص ۱۱۶)

خلاف زبان طعن دراز نہیں کریں گے اور سنن نبویہ پر عمل پیرا ہونے سے محض اس لئے گریز نہیں کریں گے کہ نماز کی بیان کردہ کیفیت ان کے مذہب کے خلاف ہے اور آئمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں سنت پر عمل کریں گے اور سنت کے خلاف آئمہ کے اقوال کو چھوڑ دیں گے اس کے بعد اگر وہ ہمارے مسلک پر طعن دراز کریں گے تو وہ درحقیقت اپنے اس امام کی شان میں گستاخی کریں گے جس کی تقلید میں وہ رطب اللسان ہیں۔

نماز کی کیفیت کے بیان میں ہم نے سُنت نبوی کو بنیاد قرار دیا ہے جو شخص ہدایت کے راہ سے گریز اختیار کرے گا، اور اس کیفیت کے مطابق نماز ادا نہیں کرے گا وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا اس لئے کہ وہ سنت سے اعراض کر رہا ہے جبکہ ہمیں حکم ہے کہ اختلاف کے وقت سنت کی طرف رجوع کریں اور اس پر اعتماد کریں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً (النساء ۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی کے ساتھ مان لیں۔ تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

آخر میں بارگاہ الہٰی میں التجا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں کے زمرہ میں داخل فرمائے جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

انما كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم ان يقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فاولئك هم الفائزون (النور ۵۱، ۵۲)

مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب خدا اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

چند شبہات اور ان کے جوابات

دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے جب میں نے اس کتاب کا مقدمہ تحریر کیا اس وقت سے لے کر اب تک الحمد للہ مقدمہ کے مطالعہ سے قارئین کو خاصا فائدہ پہنچا ہے۔ خاص طور پر نوجوانوں نے اچھا اثر قبول کیا انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف عبادات بلکہ دین کے تمام امور میں اسلام کے سرچشمہ کتاب و سنت کی طرف لوٹنا ضروری ہے یعنی کتاب و سنت کی راہنمائی میں تمام امور سر انجام دیئے جائیں۔ نتیجۃً ان میں دین کا شغف بڑھتا چلا گیا اور عمل بالسنۃ کا جذبہ تیز ہوتا چلا گیا والحمد للہ علی ذالک۔

تاہم کچھ لوگوں کا ذہن ابھی تک صاف نہ تھا وہ توقف اختیار کیے ہوئے تھے۔ مقدمہ میں بیان کردہ دلائل پر تو انہیں قطعاً شک نہ تھا۔ آیات و احادیث کی روشنی میں جن اہم نکات کو صفحۂ قرطاس پر رقم کیا گیا تھا ان کے مطالعہ سے وہ مطمئن تھے۔ البتہ بعض مشائخ مقلدین کی طرف سے اٹھائے گئے چند اعتراضات کی وجہ سے ان کا شک و شبہ میں واقع ہو جانا ناممکن نہ تھا اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ ان شبہات کو اولاً ثابت کیا جائے پھر ان کے مسکت جوابات پیش کیے جائیں تاکہ وہ کہیں شبہات کی دلدل میں ہی نہ پھنسے رہیں اور ان میں عمل بالسنۃ کا جذبہ سرد نہ پڑ جائے اور وہ فرقہ ناجیہ سے باہر نہ نکل جائیں

شبہہ اوّل اس میں کچھ شک نہیں کہ دین کے تمام امور میں سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے خاص طور پر عبادات میں رائے اجتہاد وغیرہ کا کچھ دخل نہیں اس لیے کہ بالاتفاق عبادات توقیفی ہیں، شارع علیہ السلام کی راہنمائی کے سوا کوئی صورت قبول نہیں مثلاً نماز ایک عبادت ہے اس کو بالکل اسی طرح ادا کیا جائے گا جس طرح سنت میں اس کے ادا کی تفاصیل موجود ہیں۔

لیکن کیا کیا جائے ان مشائخ مقلدین کا جو نہ صرف عبادات میں بلکہ دیگر تمام امور اسلامیہ میں بھی اختلاف کو برقرار رکھتے ہیں اور اس کو امت کے حق میں بہتر سمجھتے ہیں وہ اپنے اس خیال کو حقیقت کا لباس پہنانے میں مشہور حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" "میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے" کا سہارا لیتے ہیں اور اہل سنت کا رد کرتے ہوئے مذکورہ حدیث کو اپنی مجلسوں میں بار بار دہراتے ہیں۔

پہلا جواب
یہ حدیث بظاہر اس انداز کے مخالف ہے جو انداز راقم الحروف اختیار کئے ہوئے ہے، اور جس کی طرف دعوت دے رہا ہے اور جس بنیاد پر کتب کی تالیف کا سلسلہ شروع ہے لہٰذا اولاً ہم اس حدیث پر بحث کرتے ہیں۔ سنیئے حدیث صحیح نہیں بالکل باطل ہے اس کا کچھ اصل نہیں۔

علامہ سبکی کا قول
اختلاف امتی رحمۃ حدیث بلا سند ہے اس کی سند صحیح ضعیف تو کجا موضوع بھی نہیں ہے۔

خیال رہے کہ یہ حدیث دو مختلف جملوں سے وارد ہے ایک جملہ یہ ہے (اختلاف اصحابی لکم رحمۃ) میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے باعث رحمت ہے اور دوسرا جملہ اس طرح وارد ہے اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم) میرے اصحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ لیکن یہ دونوں حدیثیں غیر صحیح ہیں پہلی حدیث سخت کمزور ہے اور دوسری حدیث موضوع ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ (رقم ۵۸، ۵۹، ۶۱)

دوسرا جواب
حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے مفہوم کے مخالف ہے اس لئے کہ قرآن میں ایسی آیات موجود ہیں جو دین میں اختلاف کو برداشت نہیں کرتیں اور اتفاق کی تاکید میں تو بلاشبہ متعدد مقامات میں حکم موجود ہے اگرچہ ان کے بیان کی ضرورت تو نہ تھی تاہم بطور مثال چند آیات پیش کرتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (الانفال ۴۶)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا

ارشاد ربانی ہے۔

ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیھم فرحون۔ (الروم ۳۱، ۳۲)

اور مشرکوں میں نہ ہونا (اور نہ) ان لوگوں میں ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے سب فرقے اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك (هود ۱۱۸ - ۱۱۹)

مذکورہ آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ جن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے۔ اختلاف کرنا تو باطل پرست لوگوں کا وطیرہ ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ اختلاف کو رحمت قرار دیا جائے اور اثبات میں وہ حدیث پیش کی جائے جو سند اور متن کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور کتاب و سنت کے روشن دلائل کی موجودگی میں ضعیف حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین میں شبہات کا دروازہ کھولا جائے۔

دوسرا شبہہ

اگر دین اسلام میں اختلاف سے منع کیا گیا ہے تو پھر صحابہ کرام کے اختلاف اور ان کے بعد ائمہ عظام میں رونما ہونے والے اختلاف کا جواب کیا ہے۔ یا صحابہ کرام اور ائمہ عظام کا اختلاف صحیح تھا اور ان کے غیر میں اختلاف درست نہیں ہے۔

صحابہ کرام میں اختلاف

غور کیجئے دونوں اختلافوں میں سبب اور اثر کے لحاظ سے نمایاں فرق موجود ہے۔ صحابہ کرام کا اختلاف ضرورت کے پیش نظر اور طبعی تھا بلکہ فہم کا اختلاف تھا انہوں نے از خود اختلاف کو ہوا نہیں دی ان کے دور میں کچھ ایسے حالات اور واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے اختلاف ناگزیر ہو گیا ان کے بعد وہ اختلاف ختم ہو گیا اور پھر اس قسم کے اختلاف سے مکمل طور پر خلاصی پانا ممکن نہیں اور نہ ہی یہ اختلاف وہ اختلاف ہے جس کی مذمت پر سابقہ آیات سے استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ ان کا اختلاف قصداً نہ تھا اور نہ ہی انہیں اس پہ اصرار تھا یہی وجہ ہے کہ اس اختلاف کی وجہ سے ان سے مواخذہ نہیں ہو گا جبکہ مواخذہ کی شرائط موجود نہیں ہیں۔[1]

مقلدین کا اختلاف

مقلدین کے اختلاف کو صحابہ کرام کے اختلاف سے کچھ نسبت نہیں مقلدین کا حال تو یہ ہے کہ انہیں کتاب و سنت سے دلائل کی آگاہی بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود اپنے امام کے قول کو نہیں چھوڑتے وہ اپنے نظریات کی

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید للشاہ ولی اللہ کا مطالعہ کریں۔

سختی سے پابندی کرتے ہیں اور ان کے خلاف کتاب وسنت سے پیش کئے جانے والے دلائل کو کچھ حیثیت نہیں دیتے اور اپنے مذہب سے سر مو سرکنے کا نام نہیں لیتے۔ ان کے ہاں ان کے امام کا قول ہی وہ دین اسلام ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا اس کے علاوہ سب کچھ منسوخ ہے یا وہ دین نہیں ہے کیا جب یہ لوگ اس قدر دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی اختیار کئے ہوئے ہیں تو ان کا عذر عند اللہ قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کے اختلاف کو صحابہ کرام کے اختلاف کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

بعض مقلدین کا اختلاف کو مستحسن جاننا

بعض مقلدین کی رائے یہ ہے کہ مذاہب کے اختلاف میں کچھ حرج نہیں۔ مذاہب کا اختلاف ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے مانند ہے جن میں اختلاف موجود تھا بعض متاخرین فقہاء نے وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ [۱]

پس ہر شخص باختیار ہے وہ جس مذہب کو اپنانا چاہتا ہے اس پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ تمام مذہب اختلافات کے باوجود شریعت اسلامیہ کہلانے کے مستحق ہیں اور اختلاف امتی رحمۃ موضوع حدیث سے ان کے موقف کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور اختلاف کے استحسان اور اس کے بقاء پر اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اپنے موقف کو بلا جھجک پیش کرتے ہیں اور عوام الناس کو اپنی جانب مائل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اختلاف کو اس لئے رحمت قرار دیا گیا ہے تاکہ مسائل میں کچھ تنگی نہ ہو وسعت باقی رہے اور جب ہر لحاظ سے گنجائش پیدا ہوتی رہے گی تو اسی کو رحمت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب

بیان کردہ علت مذکورہ صریحہ آیات کے ہی مخالف نہیں بلکہ ائمہ کرام کی جانب سے بیان کردہ اقوال کے بھی منافی ہے۔ بعض ائمہ سے صراحتاً اختلاف کی قباحت پر اقوال منقول ہیں۔

اختلاف کی قباحت میں امام مالکؒ اور امام لیثؒ کا قول

ابن القاسم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ اور امام

۱۔ فیض القدیر للمناوی (۱/۲۰۹) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۱/۷۶-۷۷) طبع المکتب الاسلامی

لیث سے سادہ صحابہ کرام کے اختلاف کی بنیاد پر اختلاف کو مستحسن نہیں گردانتے ہیں جس طرح عام لوگوں نے صحابہ کرام کے اختلاف کو بنیاد قرار دے کر اختلاف کو مستحسن کہا ہے انہوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ صحابہ کرام کے اختلاف میں بھی دونوں راہ صواب پر نہ تھے۔ بلکہ ایک رائے کو غلط کہنا پڑے گا ظاہر ہے کہ دو متضاد خیلات کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں۔

اشہب بیان کرتے ہیں کہ امام مالک سے استفسار کیا گیا اگر کوئی شخص اس حدیث کو قابل عمل سمجھتا ہے جس کو کسی ثقہ راوی نے صحابی سے بیان کیا ہو تو کیا اس کا حدیث کو قابل عمل سمجھنا درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ بخدا جب تک کہ وہ حدیث صحیح نہ ہو اس لئے کہ دو متضاد قول تو صحیح قرار نہیں دیئے جا سکتے اور صحابہ کرام میں اختلاف کا تقاضا بہر حال یہ ہے کہ دو صحابی ایک دوسرے کے خلاف بیان دیں اور ان کے اقوال میں تضاد ہو لازماً ایک قول کو صحیح کہنا ہوگا اور دوسرا قول باطل ہوگا۔[1]

امام مزنی کا اختلاف صحابہ کے بارے میں ریمارک

وقد اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخطا بعضھم بعضاً ونظر بعضھم فی اقاویل بعض وتعقبھا ولو کان قولھم کلہ صوابا عندھم لما فعلوا ذالک وغضب عمر بن الخطاب من اختلاف ابی بن کعب وابن مسعود فی الصلوٰۃ فی الثوب الواحد اذ قال ابی ان الصلوٰۃ فی الثوب الواحد حسن جمیل وقال ابن مسعود انما کان ذالک والثیاب قلیلۃ فخرج عمر مغضباً فقال اختلف رجلان من اصحاب رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں اختلاف ہوا بعض نے بعض کی رائے کو غلط کہا اور اس کے اقوال پر اعتراضات کیے اور تعاقب کیا اگر ان کے تمام اقوال سبھی کے نزدیک درست ہوتے تو وہ ایک دوسرے کی غلطیاں نہ نکالتے۔ (دیکھئے) حضرت عمر ناراض ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ابی بن کعب اور ابن مسعود ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں آپس میں الجھ پڑے ابی بن کعب کا نظریہ تھا ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا بالکل ٹھیک ہے جبکہ عبداللہ بن مسعود کا موقف یہ تھا کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبر (۲/ ۸۱ - ۸۲ ، ۸۸ - ۸۹)

صلی اللہ علیہ وسلم ممن ینظر الیہ ویؤخذ عنہ وقد صدق ابی ولم یأل ابن مسعود ولکن لا اسمع احدا یختلف فیہ بعد مقامی ھذا الا فعلت بہ کذا وکذا ۱ؔ

اس لیے مسجائز نہ تھا کہ کپڑے عام طور پر میسر نہ تھے حضرت عمر خفگی کے عالم میں باہر آئے اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اصحابی ایک مسئلہ میں جھگڑ رہے ہیں کس کی رائے کو درست سمجھا جائے؟ میرا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب درست فرما رہے ہیں اور عبد اللہ بن مسعود بھی کسی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن سن لیجیے جو شخص اب اس مسئلہ میں اختلاف کرتا ہوا پایا گیا وہ میری سزا سے بچ نہ سکے گا۔

نیز وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اختلاف کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور اس کو مستحسن جانتا ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ جب دو عالم کسی مسئلہ میں اجتہاد کریں گے ایک اس کو حلال کہتا ہے دوسرا حرام تو کیا دونوں کی رائے صحیح ہے اور کیا دو متضاد خیالات کو درست کہنا کسی نص کی بناء پر ہے یا قیاس پر اس کا انحصار ہے اگر وہ کہے کہ اس کی بنیاد نص پر ہے تو ہم قطعاً اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے اس لیے کہ جب کتاب اللہ میں اختلاف کو مستحسن نہیں سمجھا گیا تو وہ کونسی نص ہے جس میں اختلاف کو مستحسن جانا گیا ہے اگر وہ قیاس پر بنیاد قائم کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ نصوص اور اصول تو اختلاف کی نفی کرتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ ان پر اختلاف کے جواز کا قیاس کیا جائے کوئی عقلمند انسان اس قسم کی لا یعنی بات نہیں کہتا چہ جائے کہ عالم انسان کی زبان سے اس قسم کی بات نکلے ۲ؔ

اعتراض اگر اختلاف مستحسن نہ ہوتا تو امام مالک جیسے انسان سے اس کے استحسان پر قول منقول نہ ہوتا چنانچہ المدخل الفقہی لاستاذ الزرقا میں ہے۔

ولقد ھم ابو جعفر المنصور ثم الرشید من بعدہ ان یختار مذھب الامام مالک وکتابہ الموطا قانونا قضائیا للدولۃ العباسیۃ فنھاھما مالک عن

ابوجعفر منصور اور ہارون رشید نے خیال ظاہر کیا کہ کیوں نہ عباسی سلطنت میں امام مالک کے مذہب اور ان کی تالیف کردہ کتاب موطا کو عدالتوں میں قانونی حیثیت دے دی جائے۔

۱ؔ جامع بیان العلم لابن عبد البر (۲/ ۸۳-۸۴)

۲ؔ جامع بیان العلم (۲/ ۸۹) ۳ؔ (۱/ ۸۹)

ذالك وقال ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی البلدان وکل مصیب۔

امام مالک نے انہیں اس سے روکا اور کہا کہ رسول اکرم کے صحابہ کرام فروع میں اختلاف رکھتے تھے اور وہ مختلف شہروں میں آباد ہو گئے اور ہر صحابی راہ صواب پر ہے۔

جواب امام مالک کی طرف سے ذکر کردہ قول بہت مشہور ہے۔ لیکن اس کے آخر میں (کل مصیب) کا جملہ قابل اعتماد روایات میں نہیں ہے[1] جس پر معترض کی بنیاد ہے البتہ ایک روایت حلیۃ الاولیاء میں ہے جس کی سند میں مقدام بن داؤد راوی ہے جس کو امام ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے نیز اس روایت میں کل عند نفسہ مصیب کے الفاظ ہیں معلوم ہوا کہ مدخل کی روایت یقینی نہیں ہے لہذا اعتراض رفع ہو گیا پھر یہ روایت اس ثقہ روایت کے منافی ہے جس میں امام مالک سے صراحتاً منقول ہے کہ اختلاف کی صورت میں حق ایک جانب میں ہے اور تمام جلیل القدر صحابہ، تابعین عظام اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کی وضاحت علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

ولو کان الصواب فی وجہین متدافعین ماخطأ السلف بعضھم بعضاً فی اجتہادھم وقضائھم وفتواھم والنظر یابی ان یکون الشئ وضدہ صوابا کلہ، ولقد احسن من قال ع

اگر دو متضاد صورتوں میں دونوں کو صحیح کیا جائے تو سلف صالحین اجتہادات، قضایا، فتاوی میں ایک دوسرے کو خطا کی جانب منسوب نہ کرتے۔ اور عقل سلیم بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ دو متضاد چیزیں دونوں ہی درست ہوں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اثبات ضدین معاً فی حال
اقبح ما یأتی من المحال

دو متضاد نظریات کو معاً صحیح ثابت کرنا بدترین محال چیز کو ثابت کرتا ہے۔

اعتراض اگر یہ روایت صحیح نہیں تو پھر امام مالک نے منصور عباسی کو مؤطا کتاب پر جمع کرنے سے کیوں روکا۔

---

[1] الانتقاء لابن عبدالبر (۴۱) کشف المغطا فی فضل الموطا (ص ۶-۷) تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱۹۵/۱) [2] (۳۳۲/۶)

جواب اس بارے میں جس قدر روایات مروی ہیں ان سب میں حافظ ابن کثیر کی بیان کردہ روایت نہایت عمدہ ہے[1] جس میں مذکور ہے کہ امام مالک نے کہا:

ان الناس قد جمعوا واطلعوا علی اشیاء لم نطلع علیھا۔ لوگوں نے بھی مسائل کو یکجا کیا ہے اور بعض ایسے معلومات فراہم کیے ہیں جن پر مجھے اطلاع نہیں

امام مالک کا مقصود یہ تھا کہ موطا امام مالک کو قانون کی حیثیت نہ دی جائے اس لئے کہ دیگر ائمہ نے بھی حدیث کے مجموعے تیار کیے ہیں اور ان میں ایسے معلومات موجود ہیں جن کا مجھے علم نہ ہو سکا اس لیے صرف موطا کو قانونی حیثیت دینا صحیح نہیں ہے۔

اگر غور کیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ امام مالک کا یہ قول ان کے احتیاط اور انصاف پر مبنی ہے معلوم ہوا کہ اختلاف میں قطعاً خیر کا پہلو نہیں ہے وہ شر ہی شر ہے۔ البتہ بعض اختلافات ایسے ہیں جن پر مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ مذہبی تعصب ایک مہلک چیز ہے اور صحابہ کرام ائمہ عظام کا اختلاف اس قبیل سے نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اس پر مواخذہ ہوگا۔

حشرنا اللہ فی زمرتھم ووفقنا لاتباعھم

صحابہ اور مقلدین کے اختلاف میں سبب کے لحاظ سے فرق

پس معلوم ہوا کہ مقلدین کے اختلافات صحابہ کرام کے اختلافات سے کچھ مماثلت نہیں رکھتے۔ صحابہ کا اختلاف اضطراری نوعیت کا تھا اس لئے کہ وہ تو اختلاف سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

لیکن مقلدین اگرچہ انہیں اختلاف سے بچاؤ کی شکل بھی پیدا ہو جائے پھر بھی اختلاف کو ختم کرنے پر آمادہ نہیں گویا کہ انہیں اتفاق سے سخت نفرت ہے۔

اثرات کے لحاظ سے بھی ان میں واضح فرق کی کیفیت

اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اگرچہ فروع میں کچھ اختلاف تھا اس کے باوجود وہ کوشاں رہتے کہ ان کی صفوں میں وحدت قائم رہے اور اس کے حصول میں ان کی مساعی قابل رشک ہیں۔ وہ ان ذرائع سے کنارہ کش رہتے جن سے ان میں افتراق کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہو غور کیجیے ان میں اس ذہن کے حضرات بھی موجود ہیں جو جہری نماز میں امام کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

---

[1] شرح اختصار علوم الحدیث ص ۳۱

جہر سے پڑھنے کو مشروع کہتے جبکہ غیر مشروع کہنے والے بھی موجود تھے۔ ان میں رفع الیدین کے استحباب کے قائل بھی تھے اور وہ بھی جو اس کو غیر مستحب سمجھتے ان میں وہ لوگ بھی جو اس کے قائل نہ تھے اس کے باوجود وہ سب ایک صف میں ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے اور اس امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے پس و پیش نہ کرتے جس کا مسلک ان کے مسلک کے خلاف ہوتا۔

مقلدین کا آپس میں اختلاف

لیکن مقلدین کا اختلاف اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کے آثار بالکل واضح ہیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ کلمہ شہادت کے بعد نماز دین اسلام کا بہت بڑا رکن ہے۔ اس میں ان کے اختلاف کا اندازہ لگا لیجیے کہ سبھی مقلدین ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امام چونکہ (بطور مثال) حنفی مسلک کا نہیں ہے اس کی نماز باطل یا مکروہ ہے[1] اس لئے ہماری نماز بھی باطل ٹھہرے گی۔ اس قسم کی باتیں نہ صرف یہ کہ بعض مقلدین کی زبان سے سنی گئی ہیں بلکہ ہمارے چشم دید واقعات ہیں کہ یہ لوگ مخالف نظریات رکھنے والے کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کرتے۔ الگ نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مزید تعجب تو اس بات پر ہے کہ مشہور مذاہب کی بعض کتابوں میں نماز کے باطل یا مکروہ ہونے پر نص موجود ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک مسجد میں چار محراب ہیں اور باری باری اپنے مقلدین کی مختلف ائمہ نماز کی امامت کراتے ہیں اور جب ایک امام نماز کی امامت کرا رہا ہوتا ہے تو دوسرے امام کے مقلدین اپنے امام کی انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔

شدید اختلاف کی مثال

مقلدین کا آپس میں جو اختلاف ہے وہ سنگین صورت حال اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ حنفی مرد اور شافعی مسلک کی عورت کے درمیان نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

احناف کے مشہور عالم (مفتی الثقلین) کا فتویٰ ہے کہ حنفی مرد کا شافعی عورت کے ساتھ نکاح کرنا تو جائز ہے لیکن (بلحاظ مفہوم کے) شافعی مرد کا حنفی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ جواز کی صورت میں تو شافعی عورت کو اہل کتاب کے مرتبہ میں اتار کر[2] اس سے نکاح

---

[1] الفصل الثامن من کتاب مالا یجوز فیہ الخلاف (ص ۶۵-۶۷) [2] البحر الرائق

کی اجازت دی جائے گی لیکن دوسری صورت میں جس طرح کوئی اہلِ کتاب کسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی شافعی کو حنفی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس قسم کی امثلہ فقہ کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہم نے محض اپنے ادعاء کو ثابت کرنے کے لئے یہ مثال پیش کی ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ مقلدین میں جو اختلاف ہے اس کے کس قدر ناگفتہ بہ نتائج ظاہر ہو رہے ہیں اور کیا مقلدین کے اختلاف کو صحابہ کرام کے اختلاف کے ساتھ کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

صحابہ کرام میں اختلاف سے امت مسلمہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ اسی لئے ہم زوردار لفظوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اختلاف سے روکنے کی آیات کی ان سے نہ مخالفت ہوئی ہے اور نہ وہ ان کے مصداق ہیں۔ البتہ متاخرین فقہا کا دامن یقیناً ملوث ہے ان کے اختلاف کے نتائجِ بد سے امت مسلمہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔

هدانا الله جميعًا الى الصراط المستقيم

اگر مقلدین کے اختلاف کے بُرے نتائج سے صرف انہیں ہی واسطہ ہوتا اور اس کے نقصانات ان کے غیر کی طرف متعدی نہ ہوتے تو کچھ حرج نہ تھا لیکن افسوس تو اس بات پر ہے کہ ان کے آپس کے اختلاف نے غیر مسلموں کو اسلام سے بدظن کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اسلام کی پاک صاف دعوت پر لبیک کہتے اور کثرت کے ساتھ اسلام کے سایہ میں پناہ لیتے۔ لیکن آپس کے اختلاف نے انہیں بددل کر دیا اور وہ اسلام پر اعتراضات کرنے لگے۔

ایک واقعہ امریکہ کی یونیورسٹی پرنسٹن میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ایک نمائندے نے سوال اٹھایا۔[1]

مشرق وسطیٰ اور دیگر اسلامی ممالک میں اسلام کی طرف دعوت دینے والے لوگ کیا اسلام کی ان تفاصیل کا ذکر کرتے ہیں؟ جن کا ذکر اہلِ سُنت کرتے ہیں یا وہ تعلیمات پیش کرتے ہیں جو شیعہ امامیہ یا زیدیہ کی فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور کون نہیں جانتا کہ ان دونوں

---

[1] ظلام من الغرب للاستاذ الفاضل محمد الغزالی صد ۲۰۰

کے نقطہ نظر اور تعلیمات میں نمایاں تضاد موجود ہے اور غیر مسلم لوگ جب مختلف نظریات سنتے ہیں تو حیرت ان کے دامن کو تھام لیتی ہے اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کن نظریات کو اپنایا جائے اور کون سے وہ اصول ہیں جنہیں اسلام کا صحیح اصول قرار دیا جائے شک و تذبذب میں واقع ہو جانے کی وجہ سے اسلام کی طرف دعوت دینے والوں کے بارے میں بھی مذبذب ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ تو خود کسی واضح نصب العین سے ناواقف ہیں اور گمراہ ہیں انہیں روشنی کی ضرورت ہے۔ وہ ہماری راہ نمائی کیسے کر سکتے ہیں ؟

علامہ محمد سلطان معصومی کا بیان

ہدیۃ السلطان الی مسلمی بلاد یابان تالیف علامہ محمد سلطان معصومی رحؒ کے مقدمہ میں تحریر ہے۔

ٹوکیو جاپان کے مسلمانوں کی جانب سے ایک فتویٰ موصول ہوا جس میں انہوں نے استفسار کیا: دین اسلام کی حقیقت کیا ہے ؟ مذہب کی تعریف کیا ہے ؟ کیا وہ شخص جو دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار مشہور مذاہب میں سے ایک مذہب کا پیروکار رہے یعنی وہ حنفیؒ یا شافعیؒ یا مالکیؒ یا حنبلی مذہب اختیار کرے یا یہ ضروری نہیں ہے۔ اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی جب بابونیا کے آزاد خیال لوگوں نے دین اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ٹوکیو میں مسلمانوں کی جمعیت سے استفسار کیا کہ ہمیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کونسا مذہب اختیار کرنا چاہیئے اس پر ہندوستان کے علماء نے کہا کہ تمہیں امام ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ امت مسلمہ کے روشن چراغ تھے اور انڈونیشیا جاوا کے علماء نے کہا کہ انہیں امام شافعیؒ کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے جب مسلمان ہونے والے جاپانیوں نے اس اختلاف کا مظاہرہ دیکھا تو وہ حیرت زدہ ہو گئے انہیں سخت تعجب لاحق ہوا اور وہ سوچنے لگے کہ اسلام میں مذاہب کا مسئلہ سخت عجیب ہے اب ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کونسا مذہب اختیار کریں اس وجہ سے وہ اسلام میں داخل ہونے سے محروم رہے۔

تلبیس اشتباہ بعض مقلدین کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جو لوگ اتباع سنت کی رٹ لگا رہے ہیں اور ائمہ کرام کے ان اقوال کے تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں جو سنت کے مخالف ہیں وہ دراصل مطلقاً ائمہ کرام کے اقوال کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان کے اجتہادات اور آراء سے استفادہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اسلام میں

اس قسم کی منافرت کی کچھ گنجائش نہیں۔

جواب ان لوگوں کی طرف سے یہ شور جو کھڑا کیا جاتا ہے کہ ہم ائمہ کرام کے اجتہادات سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان کی آراء کو کچھ حیثیت نہیں دیتے بالکل غلط ہے اس کے غلط ہونے پر ہماری تحریریں شاہد ہیں۔

ہم دراصل جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ سنت کا اتباع کیا جائے۔ اور کسی فقہی مذہب کو دین اسلام نہ سمجھا جائے اور نہ اس کو کتاب و سنت کا مقام دیا جائے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف رونما ہو تو ہم اسکے حل کیلئے کتاب و سنت چھوڑ کر فقہی مذاہب کی طرف رجوع کریں یا پیش آمدہ جدید مسائل کے حل میں فقہی مذاہب کی کتابوں سے استنباط کریں جیساکہ موجودہ دور کے فقہا نئے مسائل میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے جدید موشگافیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں، اور اختلاف کو رحمت قرار دیتے ہوئے مصلحت، رخصت، آسانی کی آڑ میں نت نئے نئے شگوفے چھوڑ رہے ہیں اور جس امام کے قول میں آسانی ہے اس کے قول کی روشنی میں فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے جو شریعت اسلامیہ کی روح کے منافی ہے۔ سلیمان تیمی کا قول کس قدر ہمارے نظریہ کی تائید کر رہا ہے سنیئے۔

سلیمان تیمی کا قول ان اخذت برخصۃ کل عالم اجتمع فیک الشر کلہ[1]

اگر آپ ہر عالم کی رخصت پر عمل کرنے لگیں گے تو آپ تمام قسم کے شر کو اپنے دامن میں لپیٹ لیں گے۔

سلیمان تیمی کے اس قول پر اجماع ہو چکا ہے جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں۔

البتہ جس مسئلہ میں کتاب و سنت خاموش ہیں یا ان میں وارد مسئلہ کسی وضاحت کا محتاج ہے تو ائمہ کے اقوال کا مطالعہ کرنا اور ان کے اختلافات کا جائزہ لے کر حق معلوم کرنا اور فائدہ حاصل کرنا اور اقوال کی روشنی میں وضاحت کے ہمکنار ہونا یہ ایسے امور ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا ہمارا اپنا اصول یہ ہے کہ ایسے حالات میں ہم ان سے فوائد اخذ کرتے ہیں اور دیگر علماء کو بھی رغبت دلاتے ہیں اس لیے کہ کتاب و سنت کے راستہ پر چلنے والوں کے لیئے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے۔

---

[1] ابن عبد البر (۲/۹۱/۹۲)

علامہ ابن عبدالبر کا قول

فعليك يا اخى بحفظ الاصول والعناية بها واعلم ان من عنى بحفظ السنن والاحكام المنصوصة فى القرآن و نظر فى اقاويل الفقهاء نجعله عونا له على اجتهاده و مفتاحا لطرائق النظر و تفسيرا لجمل السنن المحتملة للمعانى ولم يقلد احدا منهم تقليد السنن التى يجب الانقياد اليها على كل حال دون نظر ولم يرح نفسه مما اخذ العلماء به انفسهم من حفظ السنن و تدبرها واقتدى بهم فى البحث والتفهم والنظر وشكرلهم سعيهم فيما افادوه ونبهوه عليه وحمدهم على صوابهم الذى هو اكثر اقوالهم ولم يبرئهم من الزلل كما لم يبرؤا انفسهم منه فهذا هو الطالب المتمسك بما عليه السلف الصالح وهو المصيب لحظه والمعاين لرشده والمتبع لسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وهدى صحابته رضى الله عنهم

(ابن عبدالبر ۲/۱۷۲)

اے میرے بھائی اصول کی حفاظت کرو اور ان کا خیال رکھو اور یقین کرلو کہ جو شخص سنن اور ان احکام کی حفاظت کا اہتمام کریگا جو قرآن پاک میں منصوص ہیں اور فقہاء کے اقوال پر غور و فکر کرے گا ان کی روشنی میں اجتہاد کریگا اور غور و فکر کے دریچوں کو وا کریگا اور سنت میں وارد جملے (جو ایک سے زیادہ معانی محتمل ہیں) ان کی تفسیر کریگا اور کسی فقیہ کی تقلید سنت کی اتباع کی مانند نہیں کرے گا یعنی سنت کی اتباع تو بہرحال بلا تردد ضروری ہے اور جس طرح علماء نے سنن کی حفاظت اور اس میں تدبر کیا ہے وہ ان کے راہ سے اپنے آپ کو دور نہیں کرے گا بلکہ بحث، فہم، غور و فکر میں ان کی اقتدا کرے گا اور ان کی مساعی سے استفادہ کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کرے گا اور ان کے صحیح اقوال پر جو کہ بہرحال زیادہ ہیں ان کی وجہ سے ان کی تعریف کریگا اور ان کی لغزش سے برأت نہیں کریگا۔ جیسا کہ خود انہوں نے بھی اپنے آپ کو بری نہیں سمجھا تو یہ انسان وہ طالب علم ہے جو سلف صالحین کی تعلیمات کے ساتھ متمسک اختیار کرنے والا ہے۔ راہ صواب پر فائز ہے رشد و ہدایت اس کی آنکھوں کے سامنے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے صحابہ کے طریق کی اتباع کرنے والا ہے۔

اب اگر کوئی شخص کتاب و سنت میں غور و فکر نہیں کرتا اور ہمارے بیان کردہ دلائل سے روگردانی کرتا ہے اور سنن کے مقابلہ میں ائمہ کی آراء کو پیش کرتا ہے اور سنن کو اپنے مطمح نظر کے

مطابق ڈھالتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے لیکن جو شخص جہالت کا مجسمہ ہے اور میدان فتویٰ میں بلا معرفت گھوڑے دوڑاتا ہے تو وہ انتہا درجے کا گمراہ ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے

فھٰذا ھو الحق ما بہ خفاء فدعنی عن بنیات الطریق — یہ حق ہے جس میں کچھ پوشیدگی نہیں ہے مجھے پگڈنڈیوں سے دور رکھو۔

چوتھا شبہ بعض مقلدین اس وہم میں مبتلا ہیں کہ اتباع سنت اختیار کرنے میں امام کے مذہب کو ترک کرنا پڑتا ہے اور امام کے مذہب کو ترک کرنا اس کے مذہب کے غلط ہونے کے مترادف ہے اور کسی امام کو غلطی کی طرف منسوب کرنا اس کو مطعون کرنے کے مترادف ہے حالانکہ شرعاً کسی عام مسلمان کو مطعون کرنے سے روکا گیا ہے تو ایک امام کو کیسے مطعون کرنا جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ذکر کردہ وہم بالکل باطل ہے اگر تفقہ فی السنۃ کا خیال رکھا جاتا تو یہ وہم پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور کسی عقلمند مسلمان کی زبان سے اس قسم کے کلمات نہیں نکل سکتے تھے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد فاخطأ فلہ اجر واحد۔[1] — جب فیصلہ کرنیوالا صحیح اجتہاد کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے اور جب فیصلہ کرنیوالا غلط اجتہاد کرتا ہے تو اس کو ایک ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں شبہ ھباءً منثوراً ہو جاتا ہے اور یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی قائل کا یہ کہنا کہ فلاں امام کا قول غلط ہے اس کا مطلب شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں یہ ہے کہ غلطی کی وجہ سے وہ ایک ثواب کا حقدار ہے پس جب وہ امام اس انسان کے خیال میں اجر و ثواب کا حقدار ہے جو اس کے قول کو غلط کہہ رہا ہے تو اس کے قول کو غلط کہنے میں کب لازم آتا ہے کہ اس کے نزدیک امام مطعون ہے بلاشبہ یہ وہم باطل ہے اس سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

یاد رکھیے وہ شخص جو کسی عام مسلمان کو خطا کی جانب منسوب کرتا ہے بلکہ صحابہ کرام تابعین ائمہ مجتہدین کو خطا کی طرف منسوب کرتا ہے اس کا یہ فعل قابل ملامت نہیں ہے اس لئے کہ

---

[1] بخاری و مسلم۔

ہم برملا اس بات کے اظہار میں کچھ حرج محسوس نہیں کرتے ہیں کہ جلیل القدر ائمہ ایک دوسرے کو خطا کی جانب منسوب کرتے رہے اور بعض مسائل میں ان کا رد کرتے رہے (امام مزنی اور حافظ ابن رجب کی جانب سے تصریحات پہلے آچکی ہیں) تو کیا کوئی عاقل انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ بعض ائمہ نے بعض کو مطعون قرار دیا ہرگز نہیں۔

کیا یہ واقعہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو خطا کی جانب منسوب کیا جبکہ اس نے ایک خواب کی تعبیر کی جو ایک صحابی کو نظر آیا تھا آپ نے تعبیر کے ایک حصہ کو صحیح اور دوسرے حصہ کو غلط قرار دیا[1] تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مطعون قرار دیا۔

سخت تعجب کا مقام ہے کہ یہ وہم انہیں اتباع سنت سے توروک رہا ہے جبکہ ان کے امام کا مذہب سنت کے خلاف ہے ان کے ہاں اتباع سنت کرنا گویا کہ امام کو مطعون کرنا ہے اور سنت کو چھوڑنا اور امام کی اتباع کرنا امام کی تعظیم اور اس کے احترام کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ مقلدین اپنے امام کی تقلید پر مصر ہیں تاکہ موہوم طعن سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ لوگ فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ اس موہوم طعن سے بچنے میں اس سے زیادہ شدید طعن میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص ان سے کہے کہ اگر کسی امام کی اتباع امام کے احترام کو مستلزم ہے اور اس کی مخالفت طعن کو مستلزم ہے تو یہی فارمولا سنت کی اتباع پر بھی چسپاں کیوں نہیں کرتے ہو اور کس بناء پر سنت کی مخالفت کی اجازت دیتے ہو اور اس کے مقابلہ میں امام کی اتباع پر زور دیتے ہو حالانکہ کوئی امام معصوم نہیں اور اس پر طعن لگانا باعث کفر نہیں اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور ان پر طعن کرنا کفر ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ان کے ہاں امام کی مخالفت تو طعن کے مترادف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت جس کے طعن ہونے میں کچھ کلام نہیں وہ طعن کو مستلزم نہ ہو حالانکہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں انبیاء کی مخالفت تو کفر ہے۔

والعیاذ باللہ منہ — ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ان مقلدین کے پاس ان واضح دلائل کا کچھ جواب نہیں ہے۔ بعض مقلدین کی زبانوں سے صرف ایک کلمہ سننے میں آیا ہے کہ ہم سنت کا ترک اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے امام کے مذہب پر کلی اعتماد ہے اس لئے کہ وہ ہم سے سنت کے زیادہ واقف تھے۔

ہم نے اس قسم کے ہفوات کا جواب مختصر انداز میں پیش کیا ہے اس پر غور و فکر کریں۔

---

[1] البخاری، مسلم، الاحادیث الصحیحۃ (۱۲۱)

تو یہ وہم بھی ختم ہو جائے گا تاہم ان سے الگ اس کا فیصلہ کن جواب، سنیئے۔

فیصلہ کن جواب ہم اس بات کا صاف صاف اظہار کرتے ہیں کہ صرف تمہارے مذہب، کا امام ہی سنت سے زیادہ واقف نہ تھا یہاں تو سینکڑوں ایسے امام موجود ہیں جو تمہارے امام سے زیادہ سنت سے واقف تھے۔

فرض کیجیے اگر سنت صحیحہ تمہارے امام کے مذہب کے خلاف ہو اور سنت صحیحہ کے موافق کسی امام کا مذہب بھی ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہارے نزدیک بھی سنت صحیحہ کے مطابق چلنا ضروری نہیں ہے اور اس کی مخالفت کرنا ناجائز نہیں ہے۔ کیا سنت صحیحہ کی متابعت کرنے والے ائمہ کے معتقدین جب یہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے امام پر اعتماد ہے۔ اس نے سنت صحیحہ کی روشنی میں یہ مسلک اختیار کیا ہے تو آپ کا کیا جواب ہو گا؟ کیا اس امام کی اتباع ضروری ہو گی جو سنت کی مخالفت کر رہا ہے یا اس امام کی اتباع ضروری ہو گی جو سنت کی موافقت کر رہا ہے۔

ضروری اعلان مقدمہ کے آخر میں ایک بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو سنت صحیحہ ثابتہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق نماز ادا کی جائے جو شخص اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا ہے وہ قطعاً معذور نہیں ہے ہم نے نماز کی کیفیت بیان کرنے کے سلسلہ میں ان چیزوں کو بیان نہیں کیا ہے جن کے چھوڑنے پر علماء کا اتفاق تھا اور جن مسائل کو پیش کیا گیا ہے ان پر علماء کے ایک گروہ کی تصدیق موجود ہے۔

اور جن علماء نے ان مسائل کو تسلیم نہیں کیا ہے ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں اور وہ عام مشہور قاعدے کے مطابق ایک ثواب کے حقدار ہیں اس لیے کہ انہیں نص نہ پہنچی یا نص پہنچنے کا انداز ایسا تھا جو انہیں مطمئن نہ کر سکا اور ان کے ہاں نص کا حجت ہونا ثابت نہ ہو سکا یا کسی دیگر معقول عذر کی وجہ سے انہوں نے مخالفت کی لیکن ان کے بعد جن لوگوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا اور نصوص واضح ہو گئے انہیں ائمہ کی تقلید کرنے میں کچھ عذر نہیں ان کے لئے تقلید کو خیرباد کہنا ضروری ہے۔ اور نص معصوم کی اتباع کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون۔ (الانفال ۲۴)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وھو نعم المولیٰ ونعم النصیر وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین (دمشق ۲۸/۱۰/۱۳۸۹ھ)